

856+3
 70
 4230
 48
 228
 32
 527

قرآنی تعلیمات

حصہ دوم

قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنے اور بندگانِ خدا تک قرآن کی دعوت و تعلیم پہنچانے والی ایک مختصر کتاب۔

محمد یوسف اصلاحی

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳-۱۱، شاہ عالم مارکٹ، لاہور (مغربی پاکستان)
 شاخ: ۱۶-بیت المکرم (پہلی منزل) ڈھاکہ (مشرقی پاکستان)

(پاکستان میں جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

طابع - اخلاق حسین، ڈاکٹر -
 ناشر - اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
 ۱۳-۱۱، شاہ عالم مارکٹ لاہور
 مطبع مسعود پرنٹرز، میکلورڈ روڈ لاہور۔ خواجہ صادق کاشمیری پرنٹر
 اشاعت اول اکتوبر ۱۹۶۸ء
 ۲۰۰۰

~~۱۹۶۸~~

۲۹۷۱۰۷

۱۵۱۵۱

۱۷۹۰۸

۰۷۰۶

DATA ENTERED

قیمت

بلائیٹنگ کا کلر جلد ۱۶۰۰ روپیہ
 اعلیٰ ایڈیشن ۵۰ روپے
 سٹنا ایڈیشن ۳۵۰ روپے

دُعا

دُعا

خدائے ستار و عقار سے دعا ہے کہ وہ اس خدمتِ قرآن
 کا اجر و ثواب میری دکھی اور غمزدہ والدہ ماجدہ اور محترم و مکرم والد ماجد
 کو عطا فرمائے جن کی پُرسوز دعائیں اور پاکیزہ تمناؤں کے نتیجہ میں،
 میں اس خدمت کے لائق ہوا۔

اور میرے شفیق و مہربان استاد حضرت مولانا اختر احسن اصلاحی
 کو بھی اس کا ثواب پہنچائے، جن کی خاص توجہ اور فیض تربیت سے
 مجھے اس پیشکش کی توفیق ہوئی۔ آمین

محمد ابوحنیفہ اصلاحی

ابو

DATA ENTERED

قرآنی تعلیمات

(دوم)

صفحہ

| صفحہ | موضوع | صفحہ | موضوع |
|------|---|------|---------------------------------|
| ۳۲ | صبر کا انعام | ۱۸ | عرض ناشر |
| ۳۳ | اعتدال | ۱۹ | پیش لفظ |
| ۳۳ | نماز میں اعتدال | ۲۲ | تعارف |
| ۳۴ | بیمہ و خیرات میں اعتدال | ۲۶ | باب اول - حسن اخلاق |
| ۳۴ | خرچ میں اعتدال - رفتار میں اعتدال - احسان | ۲۸ | حسن اخلاق |
| ۳۴ | ایثار | ۲۸ | فضائل اخلاق |
| ۳۵ | حیا | ۲۸ | سچائی |
| ۳۵ | پاکبازی | ۲۹ | سچے مومن - |
| ۳۴ | امانتداری | ۲۹ | سچے لوگوں کا مرتبہ - |
| ۳۶ | وفائے عہد | ۳۰ | صبر |
| ۳۶ | اظہارِ حق | ۳۱ | جذبات و خواہشات پر قابو رکھنا - |
| ۳۶ | شجاعت | ۳۲ | حق پر جہننا - |
| | | ۳۲ | مشکلات کو برداشت کرنا - |
| | | | صبر کی اساس - |

| | | | |
|----|--------------------------------|----|----------------------|
| ۴۹ | بخل | ۳۸ | توکل |
| ۵۰ | فضول خرچی | ۳۹ | استغفار |
| ۵۲ | مسلمانوں کے باہمی اخلاق | ۳۹ | سخاوت |
| ۵۲ | متحد ہو کر رہو | ۴۰ | عفو و درگزر |
| ۵۳ | جان کا احترام کرو | ۴۰ | غصہ بینا |
| ۵۳ | آبرو دہیزی سے بچو | ۴۱ | بر دیاری |
| ۵۵ | کسی کو حقیر نہ سمجھو | ۴۱ | زہی و رحمت |
| ۵۴ | ذلت آزاری سے بچو | ۴۱ | برائی کے بدلے بھلائی |
| ۵۴ | عیب نہ لگاؤ | ۴۱ | تواضع |
| ۵۴ | نام نہ لگاؤ | ۴۲ | خود داری اور وقار |
| ۵۴ | بدگمانی سے بچو | ۴۲ | عدل و انصاف |
| ۵۸ | ٹوہ میں نہ لگو | ۴۳ | رد اہل اخلاق |
| ۵۸ | قیمت نہ کرو | ۴۳ | بھٹ |
| ۵۹ | چغلی خور کی بات نہ مانو | ۴۵ | وعدہ خلافی |
| ۵۹ | بھائی بھائی بن کر رہو | ۴۵ | خیانت |
| ۴۰ | دو گروہ لڑاؤ میں تو صلح کرا دو | ۴۶ | غرور |
| ۴۱ | ظالم کا مقابلہ کرو | ۴۶ | خود ستانی |
| ۴۱ | سایک کاموں میں ایک دوسرے | ۴۸ | دورنہا پن |
| ۴۱ | کی مدد کرو۔ | ۴۸ | حسد |
| ۴۲ | ایک دوسرے کے ہمد م اور | ۴۹ | |
| ۴۲ | رفیق رہو۔ | ۴۹ | |

| | | | |
|----|-----------------------------------|----|---------------------------------------|
| ۷۸ | نکاح و عہد سکون - | ۴۲ | سنگی پر اٹھارتے رہو۔ |
| ۷۸ | نکاح حفاظتِ عصمت کا ذریعہ۔ | ۴۳ | برائی سے روکتے رہو۔ |
| ۷۹ | نکاح خانہ آبادی | ۴۳ | ہر ایک سے بھلی بات کہو۔ |
| ۷۹ | نکاح کی تاکید | ۴۳ | مجلسوں میں کشادہ دلی سے کالو۔ |
| ۸۱ | نکاح میں بیانِ اسلام کی اہمیت | ۴۵ | بے جا حمایت نہ کرو۔ |
| ۸۲ | پاکیزہ مردوں کیلئے پاکیزہ عورتیں۔ | ۴۵ | مسلمانوں کے حق میں دعا کرو۔ |
| ۸۳ | بدکاروں سے نکاح نہ کیا جائے۔ | ۴۶ | مسلمانوں کو سلام کرو۔ |
| ۸۳ | حرام عورتیں | ۴۶ | سلام کا جواب بہتر طریقے پر دو۔ |
| ۸۵ | سوتیلی ماں | ۴۶ | مسلمانوں کے جنازے کی نماز پڑھو۔ |
| ۸۴ | ماں | | باب دوم — حسن معاشرت |
| ۸۴ | بیٹی | ۷۱ | انسانی تمدن میں نکاح کی حیثیت۔ |
| ۸۷ | بہن | ۷۲ | نکاح انبیاء کی سنت۔ |
| ۸۷ | پھوپھی | ۷۳ | نکاح ایک پختہ عہد۔ |
| ۸۷ | خالہ | ۷۴ | نکاح ایک بامقصد تعلق۔ |
| ۸۷ | بھتیجی | ۷۴ | نکاح صالح اولاد کے لئے۔ |
| ۸۸ | بھانجی | ۷۵ | نکاح قیامِ تمدن کی اساس۔ |
| ۸۸ | رضاعی ماں | | نکاح بقائے نوع انسانی کا |
| ۸۸ | رضاعی بہن | ۷۷ | ذریعہ۔ |
| ۸۸ | خوش دامن | ۷۷ | نکاح رحمت و مودت کی بنیاد۔ |

| | | | |
|-----|---|----|--------------------------------------|
| ۹۴ | بیویوں کے درمیان مطلوب انصاف | ۸۹ | سوتیلی بیٹی |
| ۹۸ | تعدد ازواج کی حد۔ | ۸۹ | بہو |
| ۹۸ | عدت میں نکاح نہ کرو۔ | ۸۹ | بیک وقت دو بہنیں |
| ۹۸ | عدت میں صاف صاف بیجا نہ دو۔ | ۹۰ | دوسرے کی منگوسہ |
| ۹۹ | مہر کے احکام | ۹۰ | حلال عورتیں |
| ۹۹ | مہر دینا فرض ہے۔ | ۹۰ | جنگ میں پکڑی ہوئی عورتیں۔ |
| ۱۰۰ | مہر بخوشی ادا کرو۔ | ۹۱ | محرمات کے سوا تمام عورتیں۔ |
| ۱۰۰ | دیا ہوا مہر واپس نہ لو۔ | ۹۱ | کتابیہ۔ |
| ۱۰۱ | غیر مدخولہ کا مہر۔ | ۹۲ | مسلمان لونڈیاں۔ |
| ۱۰۱ | ادائے مہر میں فیاضی کی تاکید۔ | | سوتیلی لڑکی اگر بیوی سے صحبت |
| ۱۰۲ | مہر کی معافی عورت کے اختیار میں ہے۔ | ۹۲ | نہ کی ہو۔ |
| ۱۰۲ | معاف کردہ مہر تمہارا مال ہے۔ | ۹۲ | متبہی کی مطلقہ۔ |
| ۱۰۲ | وہی مہر معاف ہے جو دل کی خوشی سے معاف کیا گیا ہو۔ | ۹۲ | نکاح کے احکام |
| ۱۰۳ | مہر مقرر نہ کیا ہو تو کچھ دے کر خصمت کرو۔ | ۹۵ | نکاح علانیہ کیا جائے۔ |
| ۱۰۴ | مہر میں عورت کا حق نہ مارو۔ | ۹۵ | نکاح میں مہر ضروری ہے۔ |
| | | ۹۵ | نکاح میں انتخاب کی آزادی۔ |
| | | ۹۵ | ایک سے زائد نکاح کی اجازت۔ |
| | | ۹۴ | انصاف نہ کر سکو تو ایک ہی بیوی رکھو۔ |

زوجین کے خوشگوار تعلقات

| | | |
|-----|---|-----|
| ۱۱۸ | زوجین میں مصالحت کے لئے رشتہ الٹی کا طریقہ۔ | ۱۰۵ |
| ۱۱۹ | علیحدگی ہو جائے تو دونوں اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ | ۱۰۴ |
| ۱۲۰ | طلاق کیسے دی جائے؟ | ۱۰۷ |
| ۱۲۰ | طلاق طہر میں دی جائے۔ | ۱۰۹ |
| ۱۲۱ | طلاق کی حد۔ | ۱۰۹ |
| ۱۲۲ | طلاق رجعی میں رجوع۔ | ۱۰۹ |
| ۱۲۳ | شوہر کو رجعت کا حق ہے۔ | ۱۱۰ |
| ۱۲۳ | رجعت کو ایذا رسائی کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ | ۱۱۱ |
| ۱۲۳ | علیحدگی کی صورت میں شریفانہ رویہ اختیار کیا جائے۔ | ۱۱۲ |
| ۱۲۴ | تین طلاق کے بعد طہر علیحدگی۔ | ۱۱۳ |
| ۱۲۵ | سلامہ کے بعد نکاح میں کوئی ہرج نہیں۔ | ۱۱۴ |
| ۱۲۴ | مدت ایلا گزرنے پر طلاق ہو جائیگی۔ | ۱۱۵ |
| ۱۲۶ | خلع | ۱۱۷ |
| ۱۲۸ | ظہار | ۱۱۷ |
| ۱۲۹ | ظہار سے بیوی، ماں نہیں بن جاتی۔ | ۱۱۷ |

زوجین کے حقوق مساوی ہیں

مرد کو کچھ برتری ہے

خاگی زندگی میں مرد کی حیثیت

مرد کی برتری کے وجوہ

شوہر کے فرائض

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

باہمی مصالحت کی کوشش کرو۔

تحمل اور خوش گمانی سے کام لو۔

عفو و کرم کی روش رکھو۔

بیوی کے فرائض

اپنا رویہ درست رکھے۔

اطاعت گزار رہے۔

امانتوں کی حفاظت کرے۔

ازدواجی تعلق کو صبر کے ساتھ نبھائے۔

اصلاح حال میں معاشرہ کی ذمہ داری

طلاق

طلاق دینے کی اجازت ہے۔

طلاق آخری چارہ کار ہے۔

| صفحہ | موضوع | صفحہ | موضوع |
|------|---|------|-------------------------------------|
| ۱۳۹ | عدت میں ایذا نہ پہنچاؤ۔ | ۱۲۹ | ظہار کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ |
| ۱۳۹ | بے حیالی کریں تو نکاح دو۔ | ۱۲۹ | ظہار ایک نامعقول بات ہے۔ |
| ۱۳۹ | گھر سے رخصت کرتے وقت رخصت نہ دو۔ | ۱۳۰ | ظہار کا کفارہ۔ |
| ۱۳۹ | مطلقہ حاملہ کا خرچ برداشت کرو۔ | ۱۳۰ | لعان |
| ۱۴۰ | دودھ پلانے کا معاوضہ دو۔ | ۱۳۲ | لعان کا طریقہ۔ |
| ۱۴۰ | عدت کے بعد انہیں نکاح سے نہ روکو۔ | ۱۳۲ | عدت |
| ۱۴۲ | دیا ہوا مال ان سے واپس نہ لو۔ | ۱۳۵ | عدت کے احکام |
| ۱۴۲ | بیوہ کے ساتھ سلوک | ۱۳۵ | عدت کی مدت۔ |
| ۱۴۳ | بیوہ کو اپنی میراث نہ سمجھو۔ | ۱۳۴ | غیر حاملہ کی مدت عدت |
| ۱۴۳ | ان کا مال ہتھیانے کی کوشش نہ کرو۔ | ۱۳۴ | حاملہ کی عدت |
| ۱۴۳ | بیوہ کا نکاح کر دو۔ | ۱۳۴ | بیوہ کی عدت |
| ۱۴۳ | رضاعت | ۱۳۴ | حاملہ اپنے پیٹ کا راز نہ چھپائے |
| ۱۴۳ | دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔ | ۱۳۷ | خلوت سے محروم عورت کی عدت |
| ۱۴۳ | دو سال سے پہلے بھی دودھ چھڑایا جا سکتا ہے۔ | ۱۳۸ | عدت کے ایام گنتے رہو۔ |
| ۱۴۵ | رضاعت کے معاملہ میں فریقین کو باہم موافقت کی تاکید۔ | ۱۳۸ | مطلقہ کے ساتھ سلوک۔ |
| | | ۱۳۹ | عدت تک گھر میں رکھو۔ |
| | | ۱۳۹ | دوران عدت ان کو گھر سے نہ نکالو۔ |

| | | | |
|-----|---------------------------------------|-----|---|
| ۱۵۹ | ✓ بن ٹھن کرنے گھومتی پھرو۔ | ۱۴۴ | دایہ سے دودھ پلایا جاسکتا ہے۔ |
| ۱۴۰ | ✓ غیر مردوں سے کھرے لہجہ میں بات کرو۔ | ۱۴۴ | دودھ پلانے والی کاروٹی کپڑا باپ کے ذمہ ہے۔ |
| ۱۴۱ | زیوروں کی جھنکار نہ سناؤ۔ | ۱۴۴ | باپ نہ ہو تو بچے کا ولی ذمہ دار نہ ہوگا۔ |
| ۱۴۲ | ✓ سنگاہیں نیچی رکھو۔ | ۱۴۴ | فریقین ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے کی نہ ٹھانیں۔ |
| ۱۴۳ | ✓ اپنے ستر کی حفاظت کرو۔ | ۱۴۶ | منہ بولا بیٹا (متبشی) |
| ۱۴۴ | ✓ اپنا بناؤ سنگار چھپائے رہو۔ | ۱۴۸ | منہ بولے بیٹے کی حیثیت۔ |
| ۱۴۵ | ✓ سر سینہ و پیشے سے چھپائے رہو۔ | ۱۴۸ | ان کی نسبت حقیقی باپ کی طرف کی جائے۔ |
| ۱۴۶ | ✓ بوڑھی عورتیں چادر اٹا سکتی ہیں۔ | ۱۴۹ | متبشی دینی بھائی ہے اگر اس کا باپ معلوم نہ ہو۔ |
| ۱۴۸ | ✓ بہتر یہی ہے کہ چادر اوڑھے رہیں۔ | ۱۴۹ | پیار میں بیٹا کہنے کا حکم۔ |
| ۱۴۹ | ✓ مرد سنگاہیں نیچی رکھیں۔ | ۱۵۰ | پرودہ |
| ۱۴۹ | ✓ اپنے ستر کی حفاظت کریں۔ | ۱۵۱ | پرودہ کا مقصد۔ |
| ۱۵۰ | رشتہ داروں سے پردہ | ۱۵۲ | ✓ پردہ کے احکام |
| ۱۵۲ | محرم رشتہ دار | ۱۵۵ | گھر کی چادر دیواری میں رہو۔ |
| ۱۵۳ | شوہر۔ | ۱۵۵ | چہرے کا پردہ ضروری ہے۔ |
| ۱۵۴ | باپ۔ | | |
| ۱۵۴ | خسر۔ | | |
| ۱۵۵ | بیٹے۔ | | |
| ۱۵۵ | سوتیلے بیٹے۔ | | |
| ۱۵۶ | بھائی۔ | | |

| | صفحات | |
|-----|-------|--------------------------------------|
| ۱۸۴ | ۱۶۵ | بھتیجے۔ |
| ۱۸۷ | ۱۶۵ | بھانجے۔ |
| ۱۸۷ | ۱۶۸ | میل جول کی عورتیں۔ |
| ۱۸۸ | ۱۶۴ | مملوک لونڈی اور غلام۔ |
| ۱۸۸ | ۱۶۴ | زیر دست مغفل خدمت گار۔ |
| ۱۸۹ | ۱۶۸ | نسوانی باتوں سے ناواقف لڑکے۔ |
| ۱۸۹ | ۱۶۹ | والدین کے حقوق |
| ۱۹۰ | ۱۶۹ | والدین کی شکرگزاری۔ |
| ۱۹۰ | ۱۸۰ | والدین سے بھلائی کرنا۔ |
| ۱۹۱ | ۱۸۰ | والدین کا ادب کرنا۔ |
| ۱۹۱ | ۱۸۱ | والدین پر خرچ کرنا۔ |
| ۱۹۲ | ۱۸۱ | والدین کی مرضی کا لحاظ رکھنا۔ |
| ۱۹۳ | ۱۸۲ | انکساری سے پیش آنا۔ |
| ۱۹۳ | ۱۸۲ | والدین کے لئے دعا کرنا۔ |
| ۱۹۳ | ۱۸۱ | ماں کا حق زیادہ ہے۔ |
| ۱۹۳ | ۱۸۲ | ماں کا خصوصی احسان۔ |
| ۱۹۳ | ۱۸۳ | اطاعت والدین کی حد۔ |
| ۱۹۳ | ۱۸۳ | مشرک والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ |
| ۱۹۵ | ۱۸۵ | باپ دادا کی اندھی تقلید جہالت ہے۔ |
| ۱۸۴ | | اطاعت والدین میں کوتاہی۔ |
| ۱۸۷ | | اولاد اور نسل کے حقوق |
| ۱۸۷ | | نسل کی حفاظت کرو۔ |
| ۱۸۸ | | اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ |
| ۱۸۸ | | اولاد کے لئے دعا۔ |
| ۱۸۹ | | اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک۔ |
| ۱۸۹ | | اولاد کی آرزو کس لئے؟ |
| ۱۹۰ | | رشتہ داروں کے حقوق |
| ۱۹۰ | | صلہ رحمی۔ |
| ۱۹۱ | | رشتوں کو جوڑے رکھو۔ |
| ۱۹۱ | | رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو۔ |
| ۱۹۲ | | رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرو۔ |
| ۱۹۳ | | رشتہ داروں سے محبت۔ |
| ۱۹۳ | | تمہارے ماں کے اولین مستحق رشتہ دار |
| ۱۹۳ | | ہیں۔ |
| ۱۹۳ | | رشتہ داروں کی مالی امداد۔ |
| ۱۹۳ | | میراث سے محروم عزیزوں کے ساتھ |
| ۱۹۳ | | سلوک۔ |
| ۱۹۵ | | رشتہ دار اگر برا بھلا کریں تب بھی ان |
| | | کی مدد کرو۔ |

| | | | |
|-----|--|-----|---|
| ۲۰۱ | ان کو سدھارنے کی کوشش کرو۔ | ۱۹۴ | یتیموں کے حقوق |
| ۲۰۱ | نا سمجھی کے زمانہ تک مال ان کو نہ دو۔ | ۱۹۴ | سا یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ |
| ۲۰۲ | عقل و شعور آنے پر ان کے مال انکے حوالے کرو۔ | ۱۹۶ | ان سے اولاد جیسا برتاؤ کرو۔ |
| ۲۰۳ | گوانہوں کی موجودگی میں مال حوالے کرو۔ | ۱۹۸ | ان کو جھڑکی نہ دو۔ |
| ۲۰۳ | انصاف نہ کرنے پر یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کرو۔ | ۱۹۸ | ان پر اپنا مال خرچ کرو۔ |
| ۲۰۵ | اہل حاجت کے ساتھ سلوک | ۱۹۸ | ان کے مال کے قریب بھی نہ پھینکو۔ |
| ۲۰۵ | مومن کے مال میں ان کا حق ہے۔ | ۱۹۹ | ان کا مال کھانا چہرہ کی آگ سے پیٹ بھرنا ہے۔ |
| ۲۰۵ | سائل کو نہ جھڑکو۔ | ۱۹۹ | ان کے اچھے مال سے برا مال تبدیل ہو۔ |
| ۲۰۴ | مسکین کو نہ دینے کی ہونک سزا۔ | ۱۹۹ | شرکت کے بہانے ان کا مال نہ کھاؤ۔ |
| ۲۰۴ | فقیروں سے مال بچانے کی عبرتناک داستان۔ | ۱۹۹ | رہائش اور مال مشترک رکھ سکتے ہو۔ |
| ۲۰۶ | ساجھندوں سے غفلت اور جزا کی تکذیب کا نتیجہ ہے۔ | ۲۰۰ | ان کا مال بقدر ضرورت خرچ کرو۔ |
| ۲۰۸ | پڑوسی اور ساتھی کے ساتھ حسن سلوک | ۲۰۰ | مالدار ان کے مال سے حق الخدمت نہ لے۔ |
| ۲۰۹ | میسافر اور مہمان کے ساتھ نیک برتاؤ۔ | ۲۰۰ | نادار حق الخدمت لے سکتا ہے۔ |
| ۲۰۹ | غلام اور خد متنگار کے ساتھ سلوک | ۲۰۱ | ان کے معاملہ میں انصاف پر قائم رہو۔ |

| | | | |
|-----|---------------------------------|-----|--------------------------------------|
| ۲۲۳ | انفرادی ملکیت کا تحفظ | ۲۱۳ | معاذات |
| ۲۲۴ | سود کی حرمت | ۲۱۳ | معاذات |
| ۲۲۵ | سود کو حلال کہنے والے کا حشر۔ | ۲۱۳ | قانونِ حلال و حرامِ خدا کی کا حق ہے |
| ۲۲۵ | سود خواروں کا دائمی ٹھکانا۔ | ۲۱۴ | قرآن کا نظریہ حلال و حرام |
| ۲۲۴ | سود خوروں کے خلاف اعلان جنگ۔ | ۲۱۵ | حرام جانور |
| ۲۲۴ | مقروض کے ساتھ نرمی کی تاکید | ۲۱۵ | بے حیائی کے کام |
| ۲۲۷ | قرض کے لئے دستاویز لکھوانا۔ | ۲۱۴ | زنا بدترین جرم |
| ۲۲۸ | دستاویز کے کاتب کو ہدایت۔ | ۲۱۴ | زنا کی سزا۔ |
| ۲۲۸ | کاغذ، قرض لینے والا لکھوانے۔ | ۲۱۴ | شراب اور جوا |
| ۲۲۸ | دستاویز پر گواہیاں۔ | ۲۱۷ | قتل و غارت |
| ۲۲۹ | گواہوں کا فرض۔ | ۲۱۸ | پوری کی سزا |
| ۲۲۹ | دستاویز لکھوانے کی حکمت۔ | ۲۱۸ | توبہ کی تعلقین |
| ۲۳۰ | نقد خرید و فروخت میں دستاویز | ۲۱۹ | قتل کے بازرگ |
| | ضروری نہیں۔ | ۲۲۰ | ایک قتل ساری انسانیت کا قتل ہے |
| ۲۳۰ | الینہ گواہ ضروری ہے۔ | ۲۲۱ | مومن کا کام نہیں کہ مومن کو قتل کرے۔ |
| ۲۳۰ | گواہ اور کاتب کو ستا یا نہ ہلے۔ | ۲۲۱ | قتل مومن کی ہولناک سزا۔ |
| ۲۳۱ | گواہی چھپانا گناہ ہے | ۲۲۱ | قصاص |
| ۲۳۱ | سہن | ۲۲۲ | قصاص کی معافی۔ |
| ۲۳۲ | وصیت کی تاکید | ۲۲۲ | قصاص کی حکمت۔ |

| صفحہ نمبر | موضوع | صفحہ نمبر | موضوع |
|-----------|--|-----------|---|
| ۲۳۱ | زوجهین کے حصے | ۲۳۴ | قسم نیکی سے باز رہنے کے لئے قسم نہ |
| ۲۳۱ | اولاد نہ ہو تو شوہر کا آدھا حصہ۔ | ۲۳۴ | کھاؤ۔ |
| ۲۳۱ | اولاد ہو تو پوتھالی حصہ۔ | ۲۳۴ | قسم کا کفارہ۔ |
| ۲۳۱ | اولاد نہ ہو تو بیوی کا پوتھالی حصہ۔ | ۲۳۴ | وراثت۔ |
| ۲۳۱ | اولاد ہو تو اٹھواں حصہ۔ | ۲۳۴ | قانون وراثت کی دینی اہمیت۔ |
| ۲۳۲ | بہن بھائی کے حصے | ۲۳۶ | قانون وراثت خدا ہی کا حق ہے۔ |
| ۲۳۲ | ایک بہن یا بھائی ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ۔ | ۲۳۶ | میراث میں مرد اور عورتیں دونوں حقدار ہیں۔ |
| ۲۳۲ | ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی ہیں شریک۔ | ۲۳۸ | میراث کی تقسیم بہر سال لازمی ہے۔ |
| ۲۳۲ | سگی بہن کا آدھا حصہ۔ | ۲۳۸ | تقسیم ادائے قرض و وصیت کے بعد ہو۔ |
| ۲۳۳ | دو بہنیں وراثت ہوں تو ہر تہائی حصہ۔ | ۲۳۹ | مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ |
| ۲۳۳ | کئی بھائی بہنیں ہوں تو مرد کا حصہ دوڑھ گنا ہوگا۔ | ۲۳۹ | اولاد کے حصے |
| ۲۳۳ | باب چہارم — تبلیغ دین | ۲۳۹ | لڑکے اور لڑکی کا حصہ۔ |
| ۲۳۴ | انسان کا اصل دین | ۲۳۹ | صرف لڑکیاں وراثت ہوں تو دو تہائی۔ |
| ۲۳۴ | تمام انبیاء کی دعوت ایک تھی۔ | ۲۴۰ | صرف ایک ہی لڑکی وراثت ہو تو آدھا۔ |
| ۲۳۸ | تمام انبیاء اسلام کے داعی تھے۔ | ۲۴۰ | والدین کے حصے |
| ۲۳۸ | سارے انسان ایک ہی امت ہیں۔ | ۲۴۰ | با اولاد میت کے بن باب کا چھٹا حصہ۔ |
| | | ۲۴۰ | بے اولاد میت کی ماں کا تہائی حصہ۔ |
| | | ۲۴۰ | میت کے بھائی بہن ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ۔ |

| | | | |
|-----|------------------------------------|-----|-----------------------------------|
| ۲۴۱ | امت کے ظہور کی دعا۔ | ۲۴۹ | اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں۔ |
| ۲۴۱ | رسول کی جانشینی۔ | ۲۵۰ | حضرت ابراہیمؑ اور اسلام |
| ۲۴۲ | امت مسلمہ کی امتیازی حیثیت | ۲۵۱ | حضرت ابراہیمؑ اور امامت عالم۔ |
| ۲۴۲ | امت کا حقیقی منصب | ۲۵۱ | حضرت ابراہیمؑ کی وصیت۔ |
| ۲۴۵ | امت کا نصب العین اقامت دین | ۲۵۱ | دین ابراہیمی سے اعراض حماقت ہے۔ |
| ۲۴۸ | دعوت اسلام اور سیاسی اقتدار | ۲۵۲ | حضرت ابراہیمؑ کی تنہائیں۔ |
| ۲۴۸ | اقتدار اعلیٰ۔ | ۲۵۲ | آخری رسول کی بعثت |
| ۲۴۹ | اقتدار اعلیٰ خدا ہی کا حق ہے۔ | ۲۵۲ | بعثت رسول کی دعا۔ |
| ۲۵۰ | خدا کے اقتدار میں کوئی شریک نہیں | ۲۵۲ | مومنوں پر خدا کا عظیم احسان۔ |
| ۲۵۰ | خدا حیوب سے پاک ہے۔ | ۲۵۵ | آخری رسول کے فرائض |
| ۲۵۱ | حکومت خدا ہی کی ہے۔ | ۲۵۵ | تبلیغ دین۔ |
| ۲۵۱ | سیاسی اقتدار ایک نئی ضرورت۔ | ۲۵۵ | انذار و تبشیر۔ |
| ۲۵۲ | اسلامی اقتدار کی اہمیت۔ | ۲۵۴ | امر بالمعروف، نہی عن المنکر۔ |
| ۲۵۲ | اسلامی اقتدار بعثت رسول کا مقصد۔ | ۲۵۴ | شہادت حق اور دعوت الی اللہ۔ |
| ۲۵۲ | حق و باطل کی کشمکش | ۲۵۴ | نظام عدل کا قیام۔ |
| ۲۵۳ | اہل باطل کی خواہشات۔ | ۲۵۶ | دین حق کا غلبہ۔ |
| ۲۵۳ | حق کا چراغ بجھا دیں۔ | ۲۵۹ | تکمیل دین کا اعلان۔ |
| ۲۵۴ | اہل حق کو باطل کی طرف پھیرے جائیں۔ | ۲۶۰ | ختم نبوت۔ |
| ۲۵۴ | دین حق میں رد و بدل کا مطالبہ۔ | ۲۶۱ | امت مسلمہ اور اس کے فرائض |

| | | | |
|-----|---------------------------------|-----|---------------------------------|
| ۲۸۶ | قرآن میں تدبیر | ۲۷۵ | کشاکش میں اہل حق کی ذمہ داری |
| ۲۸۸ | (۲) نظامِ جماعت | ۲۷۵ | حق پر جے رہو۔ |
| ۲۸۸ | دینی اجتماعیت کی اہمیت۔ | ۲۷۶ | خدا سے تعلق مضبوط رکھو۔ |
| ۲۸۹ | اجتماعیت کی بنیاد | ۲۷۶ | اہل کفر کے آگے ہرگز نہ جھکو۔ |
| ۲۹۰ | مثالی اجتماعیت۔ | ۲۷۷ | اہل کفر سے ہوشیار رہو۔ |
| ۲۹۰ | جماعت میں باہمی برتاؤ۔ | ۲۷۷ | اہل کفر کو دوست نہ بناؤ۔ |
| ۲۹۰ | باہمی تلقین۔ | ۲۷۷ | فتنے کا سدباب کرو۔ |
| ۲۹۱ | باہمی تعاون۔ | ۲۷۹ | ۵ اقامتِ نبی کے اصول و احکام |
| ۲۹۱ | خوشگوار تعلقات۔ | ۲۷۹ | ۱۰ تعمیرِ سیرت |
| ۲۹۱ | گروہ بندی سے بچنے کی تاکید۔ | ۲۷۹ | ایمان کامل۔ |
| ۲۹۱ | امیر کی اطاعت۔ | ۲۸۰ | مخلصانہ عبادت۔ |
| ۲۹۳ | امیر و مامور کے اختلاف کا حل۔ | ۲۸۰ | اقامتِ صلوٰۃ اور خدائے الہی کی۔ |
| ۲۹۳ | نظامِ جماعت کی دینی حیثیت۔ | ۲۸۲ | کامل پیروی۔ |
| | اسلامی جماعت کا امیر اور | ۲۸۳ | پاکیزہ کردار۔ |
| ۲۹۴ | اس کے اوصاف | ۲۸۳ | آزمائشوں میں صبر و ثبات۔ |
| ۲۹۴ | انتخابِ امیر کا معیار | ۲۸۴ | آزمائشوں کی حکمت و غرض۔ |
| ۲۹۵ | انتخاب کی دینی حیثیت | ۲۸۴ | اتحادِ قول و عمل۔ |
| ۲۹۵ | جماعتی کاموں میں مشورہ کی تاکید | ۲۸۵ | عملی نمونہ کی اہمیت۔ |
| ۲۹۶ | مومنوں کا اکرام | ۲۸۵ | ذکر و فکر۔ |
| ۲۹۶ | رفقاءِ جماعت کی اہمیت کا احساس | | |
| ۲۹۷ | مشفقانہ برتاؤ | | |
| ۲۹۷ | رحم اور نرم دلی | | |
| ۲۹۸ | جراتِ اقدام | | |

نظم جماعت کا اہتمام۔

رسد دعوت و تبلیغ

اسلامی جماعت کا مقصد و وجود۔

قرآن کا انداز دعوت

اسلام کی بنیادی دعوت۔

بندہ مومن کی فکر انگیز دعوت۔

فکر و نظر کی اصلاح۔

حکمت تبلیغ
مباشراً چھپے طریقے سے کرو
داعی حق کے اوصاف

دین کی قدر و عظمت۔

نصب العین کی اہمیت کا احساس

اصلاحِ حال کی تڑپ۔

حق کی بصیرت۔

صبر و ثبات۔

بے لوثی۔

خدا کی نصرت پر یقین۔

داعی حق اور مخالفین

کشاکش میں داعی کا حکیمانہ کردار۔

اسلام کا برملا اظہار۔

ملاست و مخالفت سے بے نیازی۔

صفحات
۲۹۸

۲۹۹

۲۹۹

۳۰۰

۳۰۰

۳۰۱

۳۰۲

۳۰۴

۳۰۵

۳۰۶

۳۰۶

۳۰۶

۳۰۶

۳۰۶

۳۰۸

۳۰۸

۳۰۹

۳۰۹

۳۱۰

۳۱۰

۳۱۱ - مدائنت سے کامل اجتناب۔

۳۱۲ - ہجرت و بے خوفی۔

۳۱۲ - ہر سال میں پورے دین کی دعوت۔

۳۱۲ - ایذا رسانیوں پر صبر۔

۳۱۳ - نرم انداز بیان۔

۳۱۳ - ہر سال میں بھلی بات۔

۳۱۴ - مذہبی جذبات کا پاس و لحاظ۔

۳۱۴ - ہیرے اجتناب۔

۳۱۵ - دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

۳۱۵ - درگزر کی روش۔

۳۱۶ - جو درپے آزار نہ ہوں ان سے حسن تعلق۔

۳۱۶ - ہجرت۔

۳۱۷ - حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت۔

۳۱۸ - خدا کی راہ میں جہاد

۳۱۹ - جہاد معیار ایمان۔

۳۲۰ - خدا کی راہ میں نکلنے کی تڑپ۔

۳۲۱ - جہاد سے رہ جانے والے مومنین

۳۲۱ - کی سبق آموز داستان۔

۳۲۲ - کتابیات

۳۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرشِ ناسخ

مولانا محمد یوسف صاحب اصلاحی، علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اسلامی تعلیمات پر آپ کی کئی بلند پایہ تالیفات شائع ہو چکی ہیں اور علمی دنیا میں مستحسن نظروں سے دیکھی گئی ہیں۔ آپ کی ایسی ہی ایک گراں قدر تالیف تعلیمات قرآنی ہے۔ یہ کتاب پہلے مکتبہ الحسنات، رامپور سے شائع ہو چکی ہے۔ اب مولف موصوف نے اس کو پاکستان میں طبع و شائع کرنے کے جملہ حقوق ہمیں عنایت فرما دیئے ہیں۔ قرآن مجید کی خدمت ایک عظیم سعادت ہے جو کسی شخص کو نصیب ہو سکتی ہے۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کی سعادت بخشی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری یہ خدمت مقدم دارین کا موجب ہوگی۔ کتاب کی معنوی شان و شوکت کی مناسبت سے ہم اس کو بہترین معیار کتابت و طباعت پر شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین اس کو پسند فرمائیں گے۔

نیاز مند

اخلاق حسین ٹوٹر کٹر

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

لاہور۔ ۹ جمادی الاول ۱۳۸۸ھ

مطابق ۶ اگست ۱۹۶۸ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

(از جناب مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی نام شہرہ تصنیف و تالیف جماعت اسلامی ہند) قرآن مجید اس ہدایت الہی کی آخری شکل ہے جو انسان کو اول روز ہی سے عنایت کرتی رہی ہے۔ یہ ایک ایسا ہدایت نامہ ہے جو اپنی حیثیت میں بھی اور اپنی نوعیت میں بھی آپ ہی اپنی مثال ہے، جو کائنات کی بنیادی حقیقتوں کا صرف علم ہی نہیں دیتا بلکہ ان پر عقلوں اور دلوں کو مطمئن کرنے والے دلائل بھی دیتا ہے جو انسان کی فکری قوتوں کو بھی خطاب کرتا ہے اور اس کی فطرت کو بھی آواز دیتا ہے جس میں فرمانروائے حقیقی کے احکام بھی ہیں، اور ان احکام کے پیچھے کام کرنے والی حکمتیں بھی ہیں، جو کسی خاص قوم یا کسی خاص خطہ ارض کے رہنے والوں کو اپنا مخاطب نہیں بنانا، بلکہ انسان کو صرف انسان اور بندہ خدا ہونے کی حیثیت سے دیکھتا ہے، جس کے احکام خالص اصولی اور بین الانسانی نوعیت کے ہیں، جس کی ہدایتیں زندگی کے کچھ خاص مسائل ہی تک محدود ہونے کے بجائے انسان کے ظاہری اور باطنی سارے ہی مسائل و معاملات کو محیط ہیں۔ جو آج دنیا کی تنہا محفوظ کتاب ہے، جس میں کسی ایک حرف کی کمی بیشی نہ اب تک ہو سکی ہے اور نہ آئندہ ہو سکنے والی ہے، جس کی تاریخ کا کوئی ایک صفحہ بھی ماضی کے دھند لکوں میں گم نہیں، بلکہ اس کی سطر سطر دوپہر کے سورج کی طرح روشن ہے جو صرف ایک نظری مجموعہ ہدایات و احکام نہیں بلکہ انسانیت کو خیر و فلاح کی منزلوں تک پہنچا دینے والی ایک بے نظیر عملی رہنما

ہے، اور اس کی اس کامیاب رہنمائی پر تاریخ کی ٹھوس اور واضح شہادتیں موجود ہیں پھر یہ ایک ایسی کتاب بھی ہے جس کی رہنمائی قبول کر لینے ہی پر دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات موقوف ہے۔ اس لئے یہ کسی خاص قوم کی ضرورت ہونے کے بجائے پوری انسانیت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

ایسی غیر معمولی حیثیت کی کتاب کا انسان پر جو حقیقی ہو سکتا ہے وہ کسی شرح و بیان کا محتاج نہیں اور اس حق کا ادا ہو جانا اس وقت تک کسی طرح ممکن نہیں جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ اس کتاب میں کیا کچھ فرمایا گیا ہے۔ لیکن عملاً ہر ایک شخص سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ قرآن کو براہ راست خود سمجھ لے گا۔ اس لئے قدرتی طور پر یہ امت کے اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ عام لوگوں کیلئے اللہ کی اس نعمت تک پہنچنے کی آسانیاں فراہم کریں۔ یہ کام مختلف پہلوؤں سے بھی کرنے کا ہے اور مختلف انداز میں بھی کرنے کا، کیونکہ یہ قرآن کوئی تصنیف نہیں ہے بلکہ فی الاصل ایک دعوت ہے اس لئے اس کے مضامین کے اندر علمی اور فنی کتابوں کی ترتیب نہیں پائی جاسکتی، نہ ان کا انداز بیان ہی پایا جاسکتا ہے۔ چونکہ وہ ایک داعی بن کر انسان کو خطاب کرتا ہے اس لئے اس کی نظر برابر انسانی نفسیات پر جمی رہتی ہے اور اس بنا پر وہ رُخ بدل بدل کر کلام کرتا ہے تاکہ اس کی بات مخاطب کے ذہن میں پوری طرح اتر جائے۔ چنانچہ اس کے اندر بنیادی عقائد ان عقائد کے عقلی اور فطری دلائل، فلاح و سعادت کے اصول، اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی تفصیل، طاعت و بندگی کی تلقین، تعمیر سیرت اور تزکیہ نفس کے طریقے، ترغیب و ترہیب، پسند و موعظت، احکام و قوانین، سب کچھ پہلو پہلو موجود ملے گا۔ اس لئے جہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کتاب الہی کی اپنی اصل ترتیب کو جوں کا توں سلسلے سے رکھ کر اس کے مطالب

کو سمجھا اور سمجھایا جائے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے ان سارے مختلف مضامین کو ایک ایک کر کے لیا جائے اور انہیں مستقل عنوانوں کے تحت معروف تصنیفی انداز میں مرتب کیا جائے تاکہ خالص علمی انداز میں بھی اس کتاب ہدی کا ہر ایک پہلو سامنے آجائے اور لوگ بیک نظر دیکھ لے سکیں کہ اس بارے میں وہ کیا کچھ فرماتی ہے۔ پھر چونکہ قرآن کے مخاطب ہر سطح کے لوگ ہیں، وہ خاص اور عام سبھی کی ضرورت کی چیز ہے اس لئے اس کے احکام و معارف کی یہ ساری مرتب توضیحات بھی مختلف سطحوں پر کی جانی چاہئیں تاکہ ہر استعداد اور ہر سطح کے لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ علمائے امت نے اپنی اس اہم ترین ذمہ داری سے کبھی غفلت نہیں برتی اور وہ ہر پہلو سے اپنے اس بنیادی فریضے کو برابر انجام دیتے رہے ہیں۔ یہ کتاب "قرآنی تعلیمات" بھی جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اسی مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس میں قرآن کریم کی ہدایات اور تعلیمات کو الگ الگ عنوانوں کے تحت مرتب کر دیا گیا ہے، اور انداز بیان نہایت سادہ سلیس اور عام فہم رکھا گیا ہے تاکہ ایک عام ذہن کا آدمی بھی بات سمجھ لینی میں کوئی وقت محسوس نہ کرے۔

امید ہے کہ یہ کتاب لوگوں کیلئے قرآن تک پہنچنے کا ایک اچھا ذریعہ ثابت ہوگی اور اس کے پڑھنے سے قرآن کی اصل دعوت بھی ان کے سامنے آجائے گی، زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں انہیں اس کے احکام بھی معلوم ہو جائیں گے، اس کے مزید مطالعے کا ذوق بھی ان کے اندر ابھرے گا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی پیروی کے لئے ان کے دل بھی کھلیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان امیدوں کو پورا کرے۔ اور اپنی کتاب کی اس خدمت کو شرف قبول عطا فرمائے۔ آمین۔

تعارف

قرآن مجید کی دعوت و تعلیم کو عام کرنا اور کسی بھی پہلو سے اس کی خدمت سے سرفراز ہونا مومن کا عظیم فریضہ بھی ہے اور بہت بڑی سعادت بھی۔ قرآنی تعلیمات "اسی سلسلے کی ایک کوشش ہے جس کا حقیقی محرک محض یہ آرزو ہے کہ خدائے عظیم و قدیر اس کتاب کو قرآن مجید سے مناسبت پیدا کرنے کا مفید ذریعہ بنائے اور اس کے مرتب کو بھی قرآن کے خادموں میں شامل فرما کر ان کی سعادت کی سعادت سے نوازے۔ آمین۔

قرآن انسانی زندگی کے لئے ایک مکمل دین اور جامع نظام فکر و عمل دیتا ہے جو قابل عمل بھی ہے اور دین و دنیا کی فلاح و سعادت کی ضمانت بھی۔ انسانی زندگی کا کوئی انفرادی یا اجتماعی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے قرآن نے واضح ہدایات اور اصولی احکام نہ دیئے ہوں۔

"قرآنی تعلیمات" میں انہی احکام و ہدایات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور مستقل عنوانوں کے تحت متعلقہ آیات کو جمع کر کے ان کی

• سلیس ترجمانی کی گئی ہے۔

• عام فہم اور مختصر تشریح کی گئی ہے۔

• کہیں کہیں مزید وضاحت کے لئے احادیث رسول نقل کی گئی ہیں۔

• نہایت سادہ انداز اور آسان زبان استعمال کی گئی ہے۔
 • فقہی باریکیوں اور علمی بحثوں سے یکسر بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔
 • اور بحیثیت مجموعی قرآن کی تعلیمات کو قرآن ہی کے سادہ اور نظری انداز بیان کی رعایت کے ساتھ آسان اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
 تاکہ جو لوگ براہ راست قرآن کا مطالعہ نہیں کر سکتے ان میں بھی "قرآنی تعلیمات" کے مطالعہ سے قرآن فہمی کا ذوق ابھرے اور ایک تدریجی ترتیب کے ساتھ وہ قرآن کی دعوت و تعلیم سے واقف ہوں۔ نیز انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق قرآن نے جو اصول و احکام دیئے ہیں وہ بھی الگ الگ مرتب انداز میں ان کے سامنے آئیں اور وہ بہ سہولت معلوم کر سکیں کہ قرآن نے کس موضوع پر کیا کچھ کہا ہے اور کس کس انداز سے کہا ہے۔

توقع ہے کہ یہ مجموعہ تمام مسلم اور غیر مسلم حضرات کے لئے قرآن کے پیام و دعوت کو سمجھنے اور قرآن سے مناسبت پیدا کرنے کا مفید ذریعہ ثابت ہوگا۔ اور قرآن سے استفادہ کرنے والے مصنف، مفکر، مقرر، خطیب، استاد، طالب علم۔ غرض ہر طبقے کے لوگ انشاء اللہ اس کو ایک مفید مجموعہ پائیں گے۔

شائقین کی سہولت کے پیش نظر ہم نے اس مجموعے کو دو حصوں میں شائع کیا ہے۔ پہلی جلد میں آپ ایمانیات، تزکیہ نفس اور عبادات کے موضوع پر قرآن کی دعوت و تعلیم اور اس کی حکمتیں ملاحظہ فرما چکے۔ اب دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو چار ابواب پر مشتمل ہے۔

حُسنِ اخلاق، حُسنِ معاشرت، معاملات، تبلیغِ دین — اس جلد میں
 اخلاقیات سے متعلق قرآن کا نقطہ نظر، انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات کی توضیح،
 اسلامی معاشرت کے حقیقت پسندانہ اصول و احکام۔ حُسنِ معاملہ کی دینی اہمیت
 و حکمت، عُدود و کفارات، تبلیغِ دین کی گراں قدر ذمہ داری، امتِ مسلمہ کا مقصد
 وجود، اور جماعتی نظام کے آداب و احکام، آسان زبان اور سادہ انداز میں بیان
 کئے گئے ہیں۔

خدا نے رحیم و کریم سے دعا ہے کہ وہ قرآن کی اس خدمت کو شرف قبول بخشے
 اپنے بندوں کو اس سے خاطر خواہ نفع پہنچائے اور اس خادم کے لئے اس کو ذخیرہ
 آخرت بنائے۔ آمین۔

محمد یوسف اصلاحی

۱۶ / ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

باب اول

حُسنِ اخلاق

مسلم معاشرے میں حق کی غیرت اور دین کے شغف کا ایسا
 ہمہ گیر اور زندہ جذبہ ہونا چاہیے کہ کوئی بھی کسی نیک کام کے لئے
 آگے بڑھے تو ہر دل اس کا استقبال کرے اور ہر ایک آگے بڑھ کر
 ہر ممکن طریقے پر اس کے ساتھ تعاون کرے۔ ہر دل میں یہ تڑپ ہو کہ
 نیکیاں پروان چڑھیں اور نیکی پھیلانے والوں کے ہاتھ مضبوط ہوں۔
 معاشرے کا کوئی فرد اس موذی مرض کا شکار نہ ہو کہ وہ بیٹھے بیٹھے
 بس زبانی داد دیا کرے، اور نیکی کے کاموں سے بے تعلق رہے۔

حُسنِ اخلاق

قرآنِ حکیم نے حُسنِ اخلاق کو جو اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ انسان کی فلاح و کامرانی کے لئے ایمان کے بعد جس چیز کو ضروری قرار دیتا ہے وہ حُسنِ اخلاق ہے۔ قرآن فضائلِ اخلاق کو اپنی تعلیم کا لازمی ثمرہ قرار دیتا ہے اور اس باب میں نہایت جامع متوازن اور مؤثر تعلیم پیش کرتا ہے اور رذائلِ اخلاق کو ایمان کے منافی قرار دیتے ہوئے ان سے بچنے کی سخت تاکید کرتا ہے۔

فضائل اخلاق

سچائی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ (التوبہ ۱۱۹)

”مومنو! اللہ کا خوف رکھو اور سچوں کے ساتھ رہو۔“

سچوں کے ساتھ رہنے اور راست بازی اختیار کرنے کی یہ تعلیم اس واقعہ کے ذیل میں دی گئی ہے کہ تین صحابی اپنی غفلت اور سستی کے باعث غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ لیکن رسول کی واپسی پر انہوں نے اپنی کوتاہیوں کے لئے عذر نہیں تراشے۔ بلکہ صاف صاف اصل صورت حال رسول کے سامنے رکھ دی۔ اس سچائی نے ہی انہیں نجات بخشی، اور اسی کے نتیجے میں ان کی مقبولیت اور بھلائی کی یہ داستان قیامت تک قرآن میں دہرائی جاتی رہے گی۔ سچائی کا تعلق جس طرح زبان سے ہے، اسی طرح دل اور عمل سے بھی ہے۔

سچے مومن

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ

(الحجرات ۱۵)

”ذرا صل مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔

پھر ذرا شک اور تردد میں نہ پڑے۔ اور خدا کی راہ میں جان و مال سے لڑے۔

یہی لوگ سچے (مومن) ہیں۔

یعنی ان کے دلوں میں ایمان کی جو حقیقی کیفیت تھی اسی کا اظہار انہوں نے زبان سے کیا، اور اپنے عمل سے برابر اس کی تصدیق کرتے رہے۔ دراصل زبان، دل اور عمل کی کامل ہم آہنگی کا نام ہی سچائی ہے۔ اور اسی ہم آہنگی پر تمام اخلاق و معاملات کی درستی کا مدار ہے۔

سچے لوگوں کا مرتبہ

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالسُّلِحِينَ وَ
حَسَنَ أَوْلِيَٰكَ رَفِيقًا (النساء ۶۹)

”اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ کیا ہی خوب ہیں یہ رفقا درفاقت کے لئے۔“
صدیق سے مراد وہ پاکباز انسان ہے جو اپنے جذبات، گفتار، کردار اور رویے میں نہایت سچا اور راست باز ہو، اور اس کی زندگی کا ہر رخ اخلاص کامل کا آئینہ دار ہو۔ خدا کی نظر میں انبیاء کے بعد انہی کا مرتبہ ہے۔

صبر

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعِزْمِ مِنَ الرَّسُولِ - (الاحقاف ۳۵)

”پس آپ بھی صبر کیجیے جس طرح اور عالی بہت رسول صبر کرتے رہے ہیں۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَأَتَّقُوا اللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (آل عمران ۲۰)

”اے ایمان والو! صبر اختیار کرو۔ اور صبر میں ایک دوسرے سے
بڑھنے کی کوشش کرو۔ اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو، اور اللہ کا خوف رکھو
تاکہ تم فلاح پاسکو۔“

قرآن نے جن اخلاقی خوبیوں پر زور دیا ہے ان میں صبر کو بنیادی اہمیت حاصل
ہے۔ صبر کا مفہوم قرآن میں انتہائی وسیع ہے۔ صبر کے تین پہلو ہیں ۱۔
جذبات و خواہشات پر قابو رکھنا۔

۲۔ سخت سے سخت حالات میں حق پر جمے رہنا اور اپنے اصولوں پر کامل یقین
رکھنا۔

۳۔ راہ حق کی مشکلات کو برداشت کرتے رہنا۔

جذبات و خواہشات پر قابو رکھنا

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْ
عَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدَ
زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ (الکہف ۲۸)

”اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رو کے رکھئے جو صبح و شام
اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا کے طالب بنے ہوئے، ان کی
طرف سے کبھی نگاہیں نہ پھیرئیے کہ آپ دنیا کی آرائشیں چاہنے لگیں۔“

حق پر جہننا

اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ

مِنْ عِبَادِهِ ط (الاعراف ۱۲۸)

”اللہ ہی سے مدد چاہو، اور حق پر جہے رہو، زمین اللہ کی ہے وہ اپنے

بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وارث بنا تا ہے۔“

فرعونی نظام کی چیرہ دستیوں سے تنگ آنے والے اسرائیلیوں کو تلقین کرتے ہوئے

موسیٰ نے کہنا، حالات کیسے ہی سنگین ہوں تم چٹان کی طرح حق پر جہے رہو، اور پھر خدا کی قدرت

و حکمت کے کرشمے دیکھو۔ زمین کا مالک خدا ہی ہے وہی جس کو چاہتا ہے اقتدار سے

نوازتا ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۗ وَهُوَ خَيْرُ

الْحَاكِمِينَ ۝ (یونس ۱۰۹)

”اور آپ اس ہدایت کی پیروی کرتے رہیے جو آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجی

جاری ہے۔ اور اس پر جہے رہیے۔ یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے۔ اور وہی بہترین

فیصلہ کرنے والا ہے۔“

رَبَّنَا اقْرُبْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

الْكَافِرِينَ ۝ (البقرہ ۲۵۰)

”اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبرانڈیل دے، ہمارے قدم جما دے

اور اس کافر گروہ پر ہمیں فتح نصیب کر۔“

مشکلات کو برداشت کرنا

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ طَرِيقًا ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (لقمان، ۱۰)

”اور برداشت کر ان مصائب کو جو تجھے پہنچیں۔ بلاشبہ یہ بڑے ہی بہت

کے کام ہیں۔“

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَبِيلًا (المزمل، ۱۰)

”اور سہتے رہو ان (دل آزار) باتوں کو جو یہ لوگ کہتے ہیں، اور ان سے

بحسن و خوبی کنارہ کشی اختیار کرو۔“

صبر کی اساس

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ - (الرعد ۲۲)

”اور (وہ لوگ عقل والے ہیں) جو اپنے پروردگار کی رضا کی خاطر صبر کرتے

ہیں۔“

صبر کا انعام

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَّ

سَلَامًا مَّا خَلِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا (الفرقان ۷۵)

”یہ ہیں (خدا کے وہ پیارے بندے) جو اپنے صبر و ثبات کا صلہ اونچے

محل کی شکل میں پائیں گے۔ سلام و تحیات سے وہاں ان کا استقبال ہوگا۔ وہ

ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ کیسا ہی اچھا ہے یہ مستقر، اور کیسی اچھی ہے یہ

قیام گاہ۔“

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ه سَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِمَا

صَبْرُكُمْ فَتَعْمَ عُقْبَى الدَّارِہ (الرعدہ ۲۴)

”اور فرشتے ہر طرف سے ان کے استقبال کے لئے آئیں گے اور کہیں گے تم پر سلام و رحمت ہو، یہ صلہ ہے تمہارے صبر و ثبات کا۔ پس کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر“

ان دونوں آیتوں سے پہلے مومنوں کی چند نمایاں اخلاقی خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر ان کے اجر و انعام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اجر و انعام کا ذکر کرتے ہوئے یہ نہیں کہا گیا کہ یہ ان اوصاف کا صلہ ہے۔ بلکہ کہا گیا، یہ ان کے صبر کا صلہ ہے۔ گویا صبر کو ان تمام اخلاقی اوصاف کا قائم مقام قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صبر صرف ایک اخلاقی خوبی ہی نہیں ہے، بلکہ دوسری اخلاقی خوبیوں کی ایک جامع اساس بھی ہے۔

اعتدال

اعتدال ایک ایسی خوبی ہے جس کا تعلق زندگی کے ہر معاملہ سے ہے۔ قرآن ہر معاملہ میں اعتدال اختیار کرنے اور افراط و تفریط سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔

نماز میں اعتدال

وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ

سَبِيلًا (بنی اسرائیل ۱۱۰)

”اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو، اور نہ بہت زیادہ

پست آواز سے، بلکہ درمیان کی راہ اختیار کرو“

صدقہ و خیرات میں اعتدال

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا
كُلَّ الْبُسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (نبی اسرائیل ۲۹)

”نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو (کہ کسی کو کچھ دوہی نہیں) اور نہ اسے
بالکل ہی کھلا چھوڑ دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو) اور ملامت زدہ اور عاجز ہو کر
رہ جاؤ۔“

خرچ میں اعتدال

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ
ذَلِكَ قَوَامًا (الفرقان ۶۷)

”اور (انہ) کے پیارے بندے (جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں
کرتے اور نہ تنگی اور بخل سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ ان کے درمیان اعتدال کے ساتھ
خرچ کرتے ہیں۔“

رفقاری میں اعتدال

وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ - (لقمان ۱۹)

”اور رفقاری میں اعتدال اختیار کئے رہو۔“

احسان

احسان سے مراد ہے، دوسروں کے ساتھ نیک سلوک، فیاضانہ برتاؤ اور
دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا۔

وَإِحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ - (القصص ۷۷)

”اور احسان کر لوگوں کے ساتھ جیسا کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان

کیا ہے“

ایشار

وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ
شَحْحَ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر)

”اور ان کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو، اور جو شخص تنگ دلی سے بچا لیا گیا، تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں“
یعنی مدینے کے انصار اپنی ضرورتوں کو پیچھے ڈال کر اور تنگی ترشی برداشت کر کے بھی ہماجرین کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ اور ہر معاملہ میں ان کو اپنی ذات پر مقدم رکھتے ہیں۔

حیا

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَشِيْ مِنْكُمْ (الاحزاب)

”تمہاری یہ حرکت نبی کو تکلیف پہنچاتی تھی لیکن وہ تم سے شرم و حیا کرتے

را اور اظہار نہ فرماتے تھے“

انہ المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح میں رسول اللہ نے ولیمے کی دعوت میں کچھ لوگوں کو مدعو کیا، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ کر چلے جائیں، اور آپ خود اٹھے بھی لیکن کچھ لوگ جمے بیٹھے رہے رسول اللہ کے لئے یہ ناگوار حرکت مدد و تبرہ تکلیف دہ تھی، لیکن آپ شرم و حیا اور مروت و لحاظ کی وجہ سے اپنی تکلیف کا اظہار نہ کر سکے۔

فَدَا لَهُمَا بِغُرُورِهِ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ يَدَاثُ لَهُمَا سَوَاتِرُهُمَا
وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ - (الاعراف ۲۲)

”پس شیطان دھوکا دے کر ان دونوں کو اپنے ڈھب پر لے آیا
آخر کار جب انہوں نے اس درخت کا مزہ چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے
کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے
لگے۔“

یعنی شرم و حیا انسان کی فطری خوبی ہے، اور انسان کو فواحش سے بچانے
والی حقیقی رکاوٹ یہی فطری خوبی ہے۔

پاک یازی

وَالَّذِينَ هُمْ لِأُذُنِهِمْ حَافِظُونَ ه (المومنون ۵)

”اور وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔“

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطُنَ ط (انعام ۱۵۲)

”اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ، خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔“

امانت داری

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُوَدُّوا وَالْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (النساء ۵۸)

”اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو۔“

امانت کے مفہوم میں ہر قسم کی امانت شامل ہے۔ مال و دولت کی امانت،

ذمہ داری اور عہدوں کی امانت، رائے اور شورے کی امانت۔

وقائے عہد

وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا - (البقرة ۱۷۷)
 ”اور نیک لوگ وہ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے پورا کریں۔“
 وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا - (بنی اسرائیل ۳۴)
 ”اور تم عہد کو پورا کرو۔ یقیناً تمہیں عہد کے بارے میں جواب دی
 کرنی ہوگی۔“

اظہارِ حق

فَأَصْدَأْغُ بِمَا تُوَسَّرُ - (الحجر ۹۴)
 ”دپس اے نبی! جس بات کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اُسے ہانکے
 پکارے کہہ دو۔“

یعنی جو حق تمہارے پاس آیا ہے اُسے کھلم کھلا بے جھجک بیان کرو۔
 يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ - (المائدہ ۵۴)
 ”وہ خدا کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی
 ملامت سے نہ ڈریں گے۔“

یعنی حق کو حق کہنے سے کوئی بھی سخت سے سخت بات انہیں روک نہ سکے گی
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، سخت گیر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے
 افضل جہاد ہے۔

شجاعت

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ (آل عمران ۱۳۴)

”اور وہ جن سے لوگوں نے بیان کیا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں

جمع ہو گئی ہیں، ان سے ڈرو۔ تو یہ سُن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا، اور انہوں نے

جواب دیا کہ ہمارے لئے خدا کافی ہے۔ اور وہ بہترین کارساز ہے۔“

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْاَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللهُ وَ

رَسُوْلُهُ وَصَدَقَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَ

تَسْلِيْمًا ۝ (الاحزاب ۲۲)

”اور جب مؤمنوں نے (کافروں کی) فوجوں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ تو وہی

ہے جس کی ہم کو اللہ اور رسولؐ نے پہلے سے خبر دے رکھی تھی۔ اور بلاشبہ

سچ فرمایا خدا اور اس کے رسولؐ نے۔ اور اس سے اُن کے ایمان و یقین اور

جذبہ اطاعت میں اور ترقی ہوئی۔“

توکل

وَمَا لَنَا اَنْ لَا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللهِ وَقَدْ هَدانا سُبُلَنَا وَلَنْصَبِرَ

عَلَىٰ مَا اَدْبَتْهُنَا وَعَلَىٰ اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ (ابراہیم ۱۲)

”اور ہم کیوں نہ خدا ہی پر بھروسہ کریں؟ جب کہ ہماری زندگی کی راہوں

میں اس نے ہماری رہنمائی کی ہے۔ جو تکلیفیں تم ہمیں دے رہے ہو ان پر

ہم صبر کریں گے۔ اور توکل کرنے والوں کو خدا ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔“

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۝ (الطلاق ۲)

”اور جو کوئی اللہ پر توکل رکھے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہوگا۔“

یعنی خدا پر توکل اور بھروسہ رکھنے والا کبھی تا مراد نہ ہوگا۔ اس کی پشت پناہی اور
کار سازی کے لئے خدا غیب سے ایسے انتظامات فرما دے گا جہاں سے اس کو گمان
کبھی نہ ہوگا۔

استغفار

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفِثَنَّهُمْ فِئْطٍ وَرِزْقٌ مِنْ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ
(طہ ۱۳۱)

”اور نگاہ بھی نہ اٹھاؤ دنیوی زندگی اور اس شان و شوکت کی طرف جو تم
نے ان میں سے مختلف گروہوں کو دے رکھی ہے وہ تو ہم نے انہیں آزمائش
میں ڈالنے کے لئے دی ہے۔ اور تیرے رب کا دیا ہوا احوال رزق ہی بہتر اور
باقی رہنے والا ہے۔“

یعنی کفار و مشرکین نے دونوں ہاتھ سے جو دولت سمیٹ سمیٹ کر جمع کر رکھی ہے
اور عیش و عشرت کے دلکش سامان فراہم کر لئے ہیں۔ یہ دراصل ان کی آزمائش کا سامان
ہے کہ قیامت کے دن ان کے پاس کوئی قدر باقی نہ رہے۔ مومن کی شان یہ نہیں کہ
وہ ان پر للچائی ہوئی نگاہ ڈالے۔

سخاوت

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالْئِيمِ وَالسَّرَّاءِ وَعَلَانِيَةً
فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
(البقرہ ۲۷۴)

”جو لوگ اپنا مال شب و روز کھلے چھپے خرچ کر رہے ہیں ان کا اجر ان کے

رب کے پاس ہے۔ اور ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔“

یعنی اس سخاوت اور فیاضی کے صلہ میں ان کو خدا کے یہاں ایسا انعام ملنے والا

ہے کہ پھر نہ ان کو کسی آفت کا کوئی اندیشہ اور خوف ہوگا اور نہ یہ غم ہوگا کہ ہم نے دنیا کی

زندگی کو اکارت کھویا۔ بلکہ مسرت و شادمانی اور اطمینان و سکون سے ان کی زندگی
آراستہ ہوگی۔

عفو و درگزر

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ

غَفُورٌ رَحِيمٌ (النور ۲۲)

”اور انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تم نہیں

چاہتے کہ خدا تم سے درگزر فرمائے؟ خدا تو بہت زیادہ درگزر فرمانے والا،

اور بہت بڑا مہربان ہے۔“

حَدِّثِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف ۱۹۹)

”رائے رسول (ما) درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے، معروف کی تلقین کرتے

رہیے اور جاہلوں سے نہ الجھیے۔“

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (شوریٰ ۴۲)

”اور جو صبر کرے اور درگزر سے کام لے تو یہ بڑی بہت کے کام ہیں۔“

غصہ پینا

وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ الْعَاقِلِينَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللَّهُ يُحِبُّ

الْمُحْسِنِينَ ۝ (آل عمران ۱۳۴)

”جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیکو کار
لوگ اللہ کو بہت پسند میں ہے۔“

بُردِ باری

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ۝ (ہود ۷۵)

”حقیقت یہ ہے کہ ابراہیمؑ تو بڑے ہی بردبار، نرم دل اور رجوع کرنے

والے تھے۔“

سخت سے سخت حالات میں اپنے جذبات پر قابو پانا اور قدرت رکھنے کے باوجود
انتقام نہ لینا بردباری یا تحمل ہے۔ یہ خود خدا کی صفت بھی ہے، اور اس کے اولوالعزم
انبیاء کی بھی۔

نرمی و رحمت

فَإِنَّا رَحِمْنَا قَوْمًا مِّنَ الَّذِينَ كَانُوا عَدُوِّينَ لَكُم بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ (آل عمران ۱۵۹)

”اے رسول! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے بڑے

نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر کہیں آپ سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے

تو یہ سب آپ کے گرد و پیش سے پھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کیجئے اور

ان کے لئے مغفرت کی دعا کیجئے۔“

ان کے لئے مغفرت کی دعا کیجئے۔“

برائی کے بدلے بھلائی

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ طَادُّ قَوْمٌ بِالَّتِي بِهِيَ أَحْسَنُ ۝

فَاذْأَلَّيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا
يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حِطِّ عَظِيمٍ رَحْمَةً

(السجدة ۳۵)

”اور بھلائی اور برائی برابر نہیں، تو برائی کا جواب بہترین رویتے سے دو،
پھر دیکھو کہ وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، ایسا ہو جائے گا
گویا تمہارا بگڑی دوست ہے۔“

یعنی جس شخص کے دل میں ذرا بھی شرافت و انسانیت ہوگی وہ برائی کے بدلے
بھلائی ہوتے دیکھ کر کبھی بھی اپنی برائی پر قائم نہ رہ سکے گا، اور اس کے دل میں عداوت
و نفرت کے بجائے محبت و قربت کے جذبات پیدا ہوں گے۔

تواضع

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا

(الفرقان ۶۳)

”اور خدا کے پیارے بندے زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔“

انسان کی چال درحقیقت پوری شخصیت کا آئینہ ہوتی ہے۔ کسی کی چال دیکھ
کر دلی کیفیت کو پڑھا جاسکتا ہے۔ خدا کے پیارے بندے زمین پر چلتے ہیں تو
ان کی چال میں انکساری، تواضع اور خاکساری صاف نظر آتی ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَاللَّتَابِسُ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا

(لقب ۱۸)

”اور تکبر میں لوگوں سے اپنے گال نہ پھلا، اور نہ زمین پر اکر کر چل۔“

خود داری اور وقار

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (الفرقان ۷۲)

”اور جب کسی بے ہودگی پر سے ان کا گزر ہوتا ہے تو وقار کے ساتھ

گزر جاتے ہیں۔“

یعنی اس میں الجھتے نہیں، بلکہ اپنا دامن بچاتے ہوئے بزرگانہ انداز میں گزر جاتے

ہیں۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا

فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ط تَعْرِفُهُمْ

بِسِيئَتِهِمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِحْقَاقًا - (البقرہ ۲۷۳)

”اور خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کاروں

میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لئے زمین میں دوڑ دوڑ کر

نہیں کر سکتے۔ ان کی خود داری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال

ہیں۔ تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی کیفیت پہچان سکتے ہو۔ وہ ایسے لوگ

تہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں۔“

یعنی انتہائی تنگ اور حاجت مند ہونے کے باوجود بھی وہ اپنی خود داری کو

قائم رکھتے ہیں اور کسی سے اپنی ضرورت کا اظہار نہیں کرتے۔

صل و انصاف

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ

الْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ - (الحديد ۲۵)

”اور ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب ہدایت اور عدل و انصاف کے فرمان اتارے تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“

انسانی زندگی میں عدل و انصاف کی اہمیت یہ ہے کہ خدا نے اس کو اپنے احکام کے نزول کا مقصد قرار دیا ہے۔ دراصل عدل و انصاف ایک ایسی جامع اخلاقی خوبی ہے کہ اس کے بغیر نہ شخصیت کی تکمیل ہی ممکن ہے اور نہ سوسائٹی کا نظام ہی قائم اور مستحکم رہ سکتا ہے۔ عدل کا تعلق فرد، اور معاشرہ کی جدوجہد کے تمام ہی پہلوؤں سے ہے۔ اسی لئے قرآن نے اس پر انتہائی زور دیا ہے، اور ہر معاملہ میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے۔

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء ۵۸)

”اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو۔“

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ - (الانعام ۱۵۳)

”اور جب تم اپنی زبان سے کوئی بات نکالو تو انصاف سے کام لو، چاہے

وہ تمہارا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔“

رذائل اخلاق

رذائل اخلاق سے مراد وہ بدترین خصلتیں ہیں جن سے ہمیشہ انسان کی فطرت سلیم گھن کرتی رہی ہے۔ یہ بدترین برائیاں جیب کسی فرد یا قوم میں پھیل جاتی ہیں تو پھر کوئی طاقت اس کو تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ قرآن نے سخت تاکید کی ہے کہ فرد اور سوسائٹی پر ان بری عادتوں کا سایہ بھی نہ پڑنے پائے۔

جھوٹ

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ۔ (المحجر ۳۰)

”اور بچے جو جھوٹی بات سے“

جھوٹ تمام قولی اور عملی برائیوں کی جڑ ہے۔ اس سے نہ بچنے والے کسی بھلائی اور خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

أَنْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِينَ (النور ۷)

”اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو“

لعنت کے معنی ہیں خدا کی رحمت سے محروم ہونا، اور قہر و غضب کا مستحق ہونا۔ قرآن نے کفر و ظلم کے سوا صرف جھوٹ ہی کی یہ ہولناک سزا بیان کی ہے۔

وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (المنافقون ۱)

”اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ واقعی منافقین جھوٹے ہیں“

یعنی جو کچھ ان کی زبان پر ہے وہ ان کے دل میں نہیں ہے یہی نفاق ہے۔

اور جھوٹ نفاق کی ایک مخصوص علامت ہے۔

وعدہ خلافی

فَاعْتَبِهِمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ
مَا وَعَدُوهُ وَمَا كَانَ نُؤَايِكُنْ يُؤْفَكُ (التوبة، ۷۷)

”نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے نفاق کا روگ ہو گیا جو خدا

کے حضور پیشی کے دن تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا۔۔۔۔۔۔ یہ اس لئے

کہ انہوں نے خدا سے وعدہ خلافی کی، اور جھوٹ بولتے رہے۔“

خیانت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَتَكُمْ
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (انفال ۲۷)

”ایمان والو! جانتے بوجھتے اللہ اور رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کرو،

اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہو۔“

خدا اور رسولؐ سے خیانت یہ ہے کہ زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کیا جائے اور

عملاً اس کے احکام سے سرِ تابی ہو، اور دینی فرائض اور ذمہ داریوں میں غفلت برتی

جائے۔ اپنی امانتوں سے مراد وہ امانتیں اور ذمہ داریاں ہیں جو افراد یا جماعتوں

کی جانب سے کسی کے سپرد کی جائیں۔

وَمَنْ يَخُلُ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (آل عمران ۱۶۱)

”اور جو خیانت کرے گا تو اپنی خیانت سمیت قیامت میں حاضر ہو جائیگا۔“

پھر ہر ایک کو اپنی کمائی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائیگا۔

غرور

وَلَا تَصْعَقُ خَدَاكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِي فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (لقمان ۱۸)

”اور (غرور میں) لوگوں سے منہ ٹیڑھا نہ کرو، اور نہ زمین پر اکڑ کر چلو۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترانے والے اور خود پسند ہوں۔“

وَلَا تَمْشِي فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (بنی اسرائیل ۳۱)

”زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو، اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی غرور ہو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔“

در اصل تکبر یہ ہے کہ آدمی کو اپنی بڑائی کا غلط احساس پیدا ہو جائے، اور وہ ہر چیز سے خود کو بالا سمجھے۔ حتیٰ کہ حق کے سامنے جھکنا بھی اس پر گراں ہو۔ اسی استکبار اور بڑائی کے غلط احساس نے شیطان کو آدم ص کے سامنے نہ جھکنے دیا، اور وہ ہمیشہ کے لئے خدا کی لعنت میں گرفتار ہو گیا۔ بندگی کی معراج یہ ہے کہ آدمی کو اپنی عاجزی اور احتیاج کا واقعی احساس ہو جائے۔

خود ستانی

لَا تَحْسَبَنَّ الدِّينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَاوَا وَيَحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا
بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ (آل عمران ۱۸۸)

”تم ان لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو، جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے
ہیں کہ لیے کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو فی الواقع انہوں نے نہیں کئے ہیں۔
درحقیقت ان کے لئے دردناک سزا ہے“

فَلَا تَزْكُوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى (النجم ۳۲)
”اپنی پاکبازی نہ جتاؤ، وہ خوب واقف ہے کہ کون پرہیزگار ہے“

دورِ خاپن

وَإِذَا لقُوا الدِّينَ أَمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيطَانِهِمْ
قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤْنَ (البقرہ ۱۲۰)

”جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں۔
اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں میں جلتے ہیں تو کہتے ہیں، اصل میں تو ہم
تمہارے ساتھ ہیں، اور ان لوگوں سے تو ہم محض مذاق کر رہے ہیں“

یہ بدترین خصمت منافقین کی ہے، مومن کی زندگی کو اس سے دور کا بھی واسطہ
نہیں۔ شیطانوں سے مراد منافقین کے وہ بڑے بڑے سردار ہیں جو اس وقت اسلام
کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

حسد

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ أَعْيُنِهَا يَكْتُمُوْنَ
كُفْرًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ - (البقرہ ۱۰۹)

”اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ حسد اور جلبن کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ
تمہیں ایمان سے پھیر کر کفر کی طرف پلٹالے جائیں۔“

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ - (النساء ۵۴)
”یا جلے مرتے ہیں اس نعمت پر جو خدا نے لوگوں کو عطا فرمائی ہے۔“

مسلمانوں کے پاس قرآن و ایمان کی دولت دیکھ کر اہل کتاب جلے مرتے تھے اور
چاہتے تھے کہ کسی طرح ان سے یہ نعمت چھین جائے اور یہ پھر کفر کی طرف پلٹ آئیں۔
حسد دراصل باطن کی خبیثت اور جاہ پرستی سے پیدا ہوتا ہے اور ایسا آدمی کسی کو
بھی کسی نعمت سے بہرہ مند دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتا اور جلتا ہے۔ نبی ص کا
ارشاد ہے ”حسد سے بچو، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح بھسم کر دیتا ہے جس طرح آگ
لکڑی کو کھا جاتی ہے۔“ قرآن نے جن چیزوں سے پناہ مانگنے کی تاکید کی ہے ان میں
ایک حسد بھی ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (الفلق)

”اور میں پناہ مانگتا ہوں جلنے والے سے جبکہ وہ حسد کرے۔“

بخل

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ

الْقِيَمَةِ ط - رآل عمران ۱۸۰

”اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے، اور پھر وہ نخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی، ان کے لئے اچھی ہے۔ نہیں، یہ ان کے حق میں انتہائی بری ہے۔۔۔۔۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی جمع کر رہے ہیں، وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا“

كَلَّابِلٌ لَا تَكْرُمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحْضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمَسْكِينِ
وَتَأْكُلُونَ التَّرَاثِ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (الفجر)

”یہ سب کچھ نہیں، بات یہ ہے کہ تم بن باپ کے بچے کی خاطر نہیں کرتے، اور غریبوں کے کھلانے پر ایک دوسرے کو رغبت نہیں دلاتے۔ اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال و دولت سے بڑی محبت رکھتے ہو“

الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۗ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَ ۗ

كَلَّا لِيُذِيقَنَ فِي الْحُطَمَةِ ۗ (الہمزہ)

”جس نے مال اکٹھا کیا اور اسے بار بار گنتا رہا، وہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ اس

کا مال اسے امر کر دے گا۔ ہرگز ایسا نہیں۔ وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائیگا“

حطمہ خدا کی بھڑکائی ہوئی وہ آگ ہے جو دلوں پر جا لپٹے گی اور اس کے لمبے لمبے

ستونوں میں مال کے پرستار بند کر دیئے جائیں گے کہ پھر نکالنا نصیب نہ ہو گا۔

فصول خمری

وَلَا يُبْدِرُ تَبْدِيرًا ۗ إِنَّ الْمُبْدِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ط

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۗ

”اور مال و دولت کو بے جا نہ اڑاؤ۔ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ مال کو بے جا اڑاتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان خدا کا بڑا ہی ناشکر ہے۔“
 نمود و نمایش اور فخر و غرور کے لئے مال کو اڑانا خدا کی ناشکری ہے، اور ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔

مسلمانوں کے باہمی اخلاق

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔۔۔۔۔ اور اس اخوت کی بنیاد ایمان و اسلام ہے۔ مسلمان پر جس طرح دنیوی رشتوں کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں، اسی طرح اس دینی رشتے کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ ان حقوق کی طرف اشارے کئے گئے ہیں، اور یہ احساس ابھارا گیا ہے کہ مسلمان ایک متحد ملت بن کر زندگی گزاریں، ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں اور باہمی تعاون و اشتراک سے اس فریضہ کو انجام دینے کی کوشش کریں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک ملت بنا کر اٹھایا ہے۔

متحد ہو کر رہو

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ط (آل عمران ۱۰۳)

”و مسلمانو! سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور منتشر نہ رہو۔ اور یاد رکھو اللہ کے اس احسان کو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے۔ اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔“

اللہ کی رسی سے مراد اسلام ہے یعنی تم سب اسلام کی بنیاد پر متحد ہو جاؤ مسلمانوں

کو باہم متحد رکھنے اور ان میں الفت و تعاون برقرار رکھنے کے لئے اسلام ہی واحد ذریعہ ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے جب بھی رشتہ اسلام چھوٹے گا وہ افتراق و انتشار اور باہمی عداوتوں کے شکار ہوں گے۔ ان کے لئے نہ تو یہ جائز ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بے تعلق ہو کر اختلاف و افتراق کی زندگی گزاریں۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ اسلام کے سوا کسی دوسری بنیاد پر متحد ہونے کی کوشش کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

”مسلمان مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو قوت پہنچاتا ہے۔“ پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے بتایا۔

جان کا احترام کرو

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدًّا فَجَزَاءُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَهُوَ غَضِيبٌ عَلَىٰ اللَّهِ وَعَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَآلِ الْأَنْبِيَاءِ (النار ۹۳)

”اور جو شخص مسلمان کو قصداً قتل کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑا رہے گا۔ خدا اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا۔ اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا ہی زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی جان کا احترام کرے اور دوسرے کی جان کی حفاظت کو اس کا ایک اہم حق سمجھے۔ قرآن نے احترام جان کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے قاتل کے لئے کیسی ہولناک اور لرزہ خیز سزا رکھی ہے۔ خدا کا غضب، خدا کی لعنت اور جہنم کا دائمی عذاب۔ اس سے بڑی ہلاکت اور کیا ہوگی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے آخری حج کے موقع پر امت سے آخری عمومی خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔
 ”اے مسلمانو! غور سے سنو! اللہ نے تمہارا خون اور تمہارا مال محترم قرار دیا
 ہے۔ جس طرح تمہارا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر محترم ہیں۔ بتاؤ کیا میں نے تمہیں پہنچا
 دیا؟“ لوگوں نے کہا ”ہاں آپ نے پہنچا دیا“ آپ نے فرمایا ”اے اللہ! تو لوگوں کو
 رہنا کہ میں نے اپنی امت کو تیرا پیغام پہنچا دیا“ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔
 پھر فرمایا ”سنو! دیکھو میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم مسلمان ہو کر آپس میں ایک دوسرے
 کی گردن مارنے لگو“

آبروریزی سے بچو

إِنَّ الدِّينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعُنُوا
 فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ يَوْمَ نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ
 أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (النور ۲۴)
 ”جو لوگ پاک دامن، بھولی بھالی، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمت لگاتے
 ہیں ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ہے، اور ان کے لئے بڑا زبردست
 عذاب ہے۔ جس دن ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے
 کرتوتوں کی گواہی دیں گے“

مسلم معاشرے میں جس طرح ہر مسلمان کی جان محفوظ ہوتی ہے اسی طرح اس کی
 عزت و آبرو بھی محفوظ ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ہر مسلمان
 دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت کو اسی طرح ضروری سمجھتا ہے جس طرح
 اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کو۔ اور اگر کبھی غفلت میں کسی شیطانی حملے سے متاثر

کہ اس طرح کی بات سوچتا بھی ہے تو دنیا کی ذلت اور آخرت کے خسران کی لرزہ خیز
سزاؤں کا تصور کر کے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے: ”ایک پاکہ اس عورت پر تہمت لگانا سو برس کے اعمال کو غارت کر
دینے کے لئے کافی ہے۔“

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن خدا کے رسول صلی اللہ علیہ
وسلم منبر پر تشریف لائے اور نہایت بلند آواز سے فرمایا: ”اے وہ لوگو! جو صرغ
زبانی اسلام لائے ہو، اور ایمان تمہارے دل کی گہرائیوں میں نہیں پہنچا ہے، تم لوگ
مسلمانوں کو دکھ نہ دو، نہ ان کو عار دلاؤ، نہ ان کے عیبوں کے پیچھے پڑو۔ جو شخص اپنے
مسلمان بھائی کے عیب کے پیچھے پڑے، اللہ اس کے عیب کے پیچھے پڑ جائے گا۔
اور جس شخص کے عیب کے پیچھے اللہ پڑ جائے گا اسے رسوا کر ڈالے گا، اگرچہ وہ اپنے
گھر کے اندر ہو۔“

معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جب
میرا رب مجھے آسمان پر لے گیا تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا، جن کے ناخن
تانے کے تھے، اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوح رہے تھے۔ میں نے جبریلؑ
سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ جبریلؑ نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں لوگوں کا
گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی ابروریزی کے درپے رہتے تھے۔“

کسی کو حقیر نہ سمجھو

وَلَا تَصْعِقْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ - (لقمن ۱۸)

”اور (غور میں) لوگوں سے گال نہ پھلاؤ۔“

مشکبرانہ انداز کی یہ ایک بہترین تمثیل ہے۔ مومن کبھی مشکبرانہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا دینی ذوق اُسے آمادہ کرتا ہے کہ وہ ہر ایک سے خوش اخلاقی، خوش کلامی اور خلوص و محبت سے پیش آئے، بالخصوص ان لوگوں سے جو خدا پر ایمان لائے ہوں۔

دل آزاری سے بچو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا كَلِمَتَكُمْ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا
خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ ط
(الحجرات ۱۱)

”مومنو! کچھ لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ (حقیقت میں) ان سے بہتر ہوں، اور لایسی طرح) کچھ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔“

تمسخر لیے مذاق کو کہتے ہیں جس سے دوسرے کی حقیر اور دل آزاری ہوتی ہو۔ مسلمان کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ عزت و اکرام سے پیش آئے، نہ یہ کہ اس کا مذاق اڑا کر اس کی دل آزاری کرے۔ پھر جو لوگ دوسروں کو حقیر سمجھ کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں انہیں یہ غلط فہمی کیوں ہو گئی ہے کہ وہ ان سے بہتر ہیں؟ عزت و ذلت کا پیمانہ تو خدا کے پاس ہے۔ اور اس حقیقت میں کون شبہ کر سکتا ہے کہ عزت والا وہی ہے جو خدا کی نظر میں عزت والا ہے، اور حقیر وہی ہے جو خدا کی نظر میں حقیر ہے۔ مذاق اڑانے والو کو سوچنا چاہیے کہ جن کا ہم مذاق اڑا رہے ہیں یہ بھی تو ممکن ہے کہ خدا کی نظر میں ہم ان سے زیادہ حقیر ہوں۔

عیب نہ لگاؤ

وَلَا تَلْمِزْ دَا اَنْفُسَكُمْ۔ (المحجرات ۱۱)

”اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔“

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔ (الہمزہ ۱)

”اور ہلاکت ہے طعنہ دینے والے عیب لگانے والے کے لئے۔“

یعنی مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے عیبوں سے آنکھیں بند کر لے اور دوسروں کے عیب نکالے اور انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنائے۔

نام نہ بگاڑو

وَلَا تَتَّبِعُوا بِالْاَلْقَابِ۔ (المحجرات ۱۱)

”اور نہ ایک دوسرے کو برے نام سے پکارو۔“

ہر شخص کو اسی نام سے پکارنا چاہیے جس کو وہ پسند کرتا ہو، مسلمان کے لئے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ وہ کسی کا نام بگاڑے یا کسی کو ایسے نام سے پکارے جو اسے ناگوار ہو، اور جس سے اس کی دل آزاری ہوتی ہو۔ مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر یہ بھی حق ہے کہ جب اسے پکاریں تو اچھے نام سے پکاریں۔

بدگمانی سے بچو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ

الظَّنِّ إِثْمٌ۔ (المحجرات ۱۲)

”مومنو! بہت زیادہ گمان اور قیاس آرائیوں سے بچو۔ کیونکہ بعض گمان

گناہ ہیں۔“

مسلمانوں کو چاہیے کہ دوسروں کے بارے میں حسن ظن سے کام لیں اور بلاوجہ ذرا سی بات پا کر اس پر خیالی عمارتیں نہ تعمیر کریں، ہو سکتا ہے کہ یہ پوری عمارت بالکل بے بنیاد ہو۔ اور یہ گمان خدا کی نظر میں حرم قرار پائے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ حِلْمٌ إِنْ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل ۳۶)

”اور کسی ایسی بات کے پیچھے نہ لگ جاؤ جس کا تمہیں پورا علم نہ ہو حقیقت

یہ ہے کہ کان، آنکھ اور دل سب ہی کی باز پرس ہوتی ہے“

یہ ہدایت زندگی کے تمام مسائل کو حاوی ہے اور اس سے یہ اصول ملتا ہے کہ کسی معاملہ میں بھی محض ظن و تخمین پر کوئی اقدام نہ کیا جائے، اور کسی شبہ کو بنیاد بنا کر کوئی ذہنی یا عملی مقدمہ مرتب کرنے سے سختی کے ساتھ پرہیز کیا جائے۔

ٹوہ میں نہ لگو

وَلَا تَجَسَّسُوا۔ (المحجرات ۱۲)

”اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگے رہو“

تجسس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کسی کی ٹوہ میں لگا رہے اور گریڈ گریڈ کرائس کے عیب نکالنے کی کوشش کرتا رہے۔ مومن کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی کمزوریاں تلاش کرتا رہے اور انہیں طشت از بام کرنے کی فکر میں اپنے ذہن و قلب کو گندگی سے معمور کرتا رہے۔

غیبت نہ کرو

وَلَا يَغْتَابُ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُّ حَيْثُ أَحَدُكُمْ أَن يُلْكَ

لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ - (الحجرات ۱۲)

”اور ایک دوسرے کو میٹھ پیچھے بُرا نہ کہو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرنے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔“

غیبت کی معنوی گندگی محسوسات میں ایسی ہے جیسے مرے ہوئے بھائی کا مردار گوشت کھانا۔ کون ہو گا جو اس سے گھین نہ کرے گا؟ ایک مومن غیبت سے اسی طرح گھین کرتا ہے۔

چغلی خور کی بات نہ مانو

وَلَا تَطْعَمْ كُلَّ حَلَاةٍ مَّهِينٍ ۚ هَتَّانِ تَشَاءُ يَا نَبِيَّيْمِ ۝ (القلم ۱۱)

”اور ہرگز اس شخص کے کہے میں نہ آؤ جو بہت زیادہ قسبیں کھاتا ہے، آبرو باختہ

ہے، لوگوں پر آوازے کستا ہے اور چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔“

چغلی خوری وہ بدترین اخلاقی بیماری ہے جو باہمی محبت اور تعلق کی جڑیں کاٹ دیتی ہے اور غصہ و نفرت کے بیج بوتی ہے۔ نبیؐ نے فرمایا: ”سب سے زیادہ برے لوگ وہ ہیں جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں، اور دوستوں کے باہمی تعلقات خراب کرتے ہیں۔“ نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”چغلی خور جنت میں داخل نہ ہو گا۔“

بھائی بھائی بن کر رہو

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ - (الحجرات ۱۰)

”مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں، آپس دو بھائیوں

میں ملاپ کرادو۔“

یعنی مسلمانوں کو اسلامی اخوت کے رشتہ نے آپس میں بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ ان کے درمیان دو بھائیوں جیسی محبت و شفقت، نرمی و ہمدردی اور تعاون و سلوک ہونا چاہیے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے بگاڑ نہ رکھے، اور اگر کہیں دو بھائیوں میں بگاڑ رونما ہو جائے تو ان میں ملاپ کرنے کی کوشش کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی سے تین راتوں سے زیادہ قطع تعلق کئے رہے، کہ آسنا سامنا ہو تو ایک ادھر منہ پھیر لے اور ایک ادھر۔ اور ان دونوں میں بھلا آدمی وہ ہے جو سلام میں پہل کرے“۔
دو گروہ لڑ پڑیں تو صلح کرادو۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا

(الحجرات ۹)

”اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو“

ظالم کا مقابلہ کرو

فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ (الحجرات ۹)

”پھر اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرنے لگے، تو سب مل کر زیادتی کرنے والے فریق سے لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر جب وہ خدا کی طرف لوٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو، اور انصاف قائم رکھو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ انصاف قائم

رکھنے والوں کو اپنا محبوب بناتا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر دو مسلمان گروہوں میں باہم کوئی ناخوشگوار سی پیدا ہو جائے تو ان کا یہ حق ہے کہ دوسرے مسلمان ان کو نصیحت و فہمائش کریں، اور دونوں کے درمیان صلح کرادیں۔ لیکن اگر کوئی گروہ ظلم ہی پر اتر آئے اور کسی طرح مان کر نہ دے، تو پھر نصیحت و فہمائش سے آگے بڑھ کر تمام مسلمانوں کا فرض یہ ہو جاتا ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے گروہ کو قرار واقعی سزا دیں، اور سب مل کر اس کو ظلم سے باز آنے اور خدائی حکم کے آگے جھکنے پر مجبور کر دیں۔ اور جب وہ ظلم سے باز آجائے اور خدائی حکم کے آگے گردن ڈال دے، تو ان کے درمیان بے لاگ فیصلہ کر دیں۔ فیصلہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ خدا کے محبوب وہی لوگ قرار پاتے ہیں جو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں، اور کبھی بیجا حمایت اور طرفداری نہیں کرتے۔

نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ذَلَا تُعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

(المائدہ ۲۵)

”اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں اور

گناہ اور سرکشی کے کاموں میں کسی کی مدد نہ کرو۔“

مسلم معاشرے میں حق کی غیرت اور دین سے شغف کا ایسا ہمہ گیر اور زندہ جذبہ ہونا چاہیے کہ کوئی بھی کسی نیک کام کے لئے آگے بڑھے تو ہر دل اس کا استقبال کرے، اور ہر ایک آگے بڑھ کر ہر ممکن طریقے پر اس کے ساتھ تعاون کرے۔ ہر دل میں یہ تڑپ ہو کہ نیکیاں پروان چڑھیں اور نیکی پھیلانے والوں کے ہاتھ منسب و موافق ہوں۔

معاشرے کا کوئی فرد اس موذی مرض کا شکار نہ ہو کہ وہ بیٹھے بیٹھے صرف زبانی داد دیا کرے، یا نیکی کے کاموں سے بے تعلق رہے بلکہ ہر ایک عملی تعاون کے لئے تیار ہو، اور اس توفیق کو اپنے لئے سب سے بڑی سعادت سمجھے۔

ایک دوسرے کے بھدم اور رفیق رہو

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (التوبہ ۱۶)

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے بھدم اور رفیق ہیں“

یعنی دین کے رشتہ نے مومنوں کو ایک دوسرے سے اتنا قریب کر دیا ہے کہ ہر ایک دوسرے کے دم کا ساتھی ہے، ادنیٰ خیر خواہ ہے۔ اور ہر ایک دوسرے کا مددگار، حامی اور پشت پناہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم“ ایک شخص بولا یا رسول اللہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو میں اس کی مدد کروں گا۔ لیکن اگر وہ ظالم ہو تو میں کس طرح مدد کروں؟ آپ نے فرمایا ”اس کو ظلم سے روک دینا بھی اس کی مدد کرنا ہے“ (بخاری)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ”تم مسلمانوں کو آپس میں رحم کرنے، محبت کرنے اور ایک دوسرے کی طرف جھکنے میں ایسا پاؤ گے جیسا کہ انسانی جسم۔ کہ اگر کسی ایک عضو کو کوئی دکھ پہنچے تو جسم کے دوسرے تمام اعضاء بے خوابی اور بخار کی تکلیف میں اس کا ساتھ دیتے ہیں“ (بخاری)

نیکی پر ابھارتے رہو

يَا مُرَادُونَ بِالْمَعْرُوفِ - (التوبہ ۱۶)

”ایک دوسرے کو بھلائیوں پر ابھارتے ہیں“

وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ - (لقمن، ۱)

”اور نیکی کا حکم دو۔“

نیکی سے دلچسپی اور نیکی کے فروغ کی کوشش مومن کی پہچان ہے وہ ہر وقت
اسی فکر میں ڈوبا ہوا، اور اسی کام میں جٹا ہوا ہوتا ہے۔
برائی سے روکتے رہو۔

وَيُتْرَقُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ - (التوبة، ۱)

”اور ایک دوسرے کو برائی سے روکتے ہیں۔“

وَأَنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ - (لقمن، ۱)

”اور برائی سے روکو۔“

حق کی غیرت، برائی سے نفرت اور اس کو مٹا دینے کا آہنی جذبہ مومن کی امتیازی
نشانی ہے۔ مسلمان بھائی کو برائی میں مبتلا دیکھ کر برائی کے خلاف نفرت اور مبتلائے
معاصی کے لئے سوز و شفقت کے انقلابی جذبہ سے وہ بے تاب ہو جاتا ہے، اور
وہ اپنے دینی محبوب کو اس غلیظ دلدل سے باہر نکال لانے کے لئے اس طرح
کمر بستہ باندھ لیتا ہے کہ پھر کھولنے کا نام نہیں لیتا۔
ہر ایک سے کھلی بات کہو۔

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ، ۸۳)

”اور لوگوں سے کھلی بات کہو۔“

ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہی حق ہے کہ وہ اس سے مسکراتے چہرے،
نرم لہجے اور اچھے الفاظ میں بات کرے۔ بات چیت میں سختی، تندہی اور سرد مہری

کا اظہار نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے۔“

مجلسوں میں کشادہ دلی سے کام لو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَقَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ
فَاتَّقُوا اللَّهَ لِكُمْ وَإِذَا قِيلَ لَكُمْ تَقَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ
الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (المجادلہ ۱۱)

دو مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو، تو کھل کر بیٹھ
جایا کرو، خدا تمہیں کشادگی سے نوازے گا، اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے
ہو تو اٹھ کھڑے ہو، اور خدا ان لوگوں کے مرتبوں کو بلند فرمائے گا جو ایمان
والے اور علم والے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ تمہارے ایک ایک کام
سے بخوبی واقف ہے۔“

یعنی ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لئے کشادہ دل ہونا چاہیے، اور آپس
میں ہر ایک کو دوسرے کا خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے استقبال کرنا چاہیے
کسی مقام پر اگر کچھ لوگ جمع ہوں تو ان کو چاہیے کہ بعد میں آنے والوں کو کشادہ دلی
اور محبت سے جگہ دیں۔ ان کے ساتھ غرور اور بے نیازی کا سلوک نہ کریں۔ بلکہ ہر
ایک اس طرح بیٹھے کہ سب ہی کے لئے جگہ ہو جائے۔ اسی طرح اگر صاحب مجلس
کچھ لوگوں سے اٹھ جانے کی درخواست کرے تو انہیں کسی تنگدلی کے بغیر وہاں سے
خوشی خوشی اٹھ آنا چاہیے۔ بعض اوقات بعض امور میں ہو سکتا ہے کہ صاحب مجلس

بعض لوگوں کا بیٹھنا مفید نہ سمجھے اور ان کا وہاں سے ہٹانا ہی مناسب محسوس کرے۔
بے جا حمایت نہ کرو

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ - (الانعام ۱۵۲)

”اور جب کہو انصاف کی بات کہو چاہے معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا

کیوں نہ ہو۔“

یعنی مومن کو ہر حال میں حق و انصاف کی بات کہنی چاہیے۔ مومن کو کسی طرح یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی بے جا حمایت میں حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے۔

مسلمانوں کے حق میں دعا کرو

وَاسْتَعْفِرْ لِدُنْيَاكَ وَاللَّامِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط (محمد ۱۱)

”اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہو، اور مومن مرد اور عورتوں کے

حق میں بھی۔“

مسلمانوں کا باہمی تعلق محض سلوک و معاملات اور تمدن و معاشرت کے مسائل تک ہی قانونی طور پر محدود نہ ہو، بلکہ ان کے درمیان ایسی سچی محبت اور واقعی خلوص ہو کہ ہر ایک دوسرے کا دلی خیر خواہ ہو۔ تنہائی کے اوقات میں جب کوئی بندہ مومن خود کو خدا کے قدموں میں ڈال کر اس سے التجائیں کر رہا ہو تو وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو بھول نہ جائے۔ اور ان کے لئے بھی گڑ گڑا کر پروردگار سے دونوں جہاں کی فلاح کی دعائیں کرے۔ دعا کو مسلمانوں کا ایک حق سمجھے۔

مسلمانوں کو سلام کرو

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ - (الأنعام ۵۴)

”اور جب تمہارے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں تو

ان سے السلام علیکم کہا کرو“

سلام کا جواب بہتر طریقے پر دو

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا - (النساء)

”اور جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس کو اس سے بہتر طریقے پر جواب

دو۔ یا کم از کم سلام کے جواب میں وہی الفاظ لوٹا دو“

اگر دوسرے تمہیں سلام کریں تو خوشدلی اور خندہ پیشانی سے ان کا جواب دو

بلکہ سلام کے جواب میں اور بہتر طریقہ اختیار کرو۔ یعنی دعا کے کچھ اور الفاظ بڑھا کر

جواب دو۔ سلام یا اس کا جواب محض چند الفاظ ہی کا تبادلہ نہیں ہے، بلکہ یہ ان

دلی جذبات کا اظہار ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے اپنے سینے میں

رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے جنازے کی نماز پڑھو

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ - (التوبة ۱۰۳)

”اور ان کے لئے دعا کرو (زندگی میں بھی، اور مرنے کے بعد بھی) یقیناً

تمہاری دعا ان کے لئے سکون و طمانیت کا باعث ہوگی“

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ زندگی میں ان کے لئے دعا کرو

بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد بھی ان کے حق میں دعا کرو، اور ان

کے جنازے کی نماز پڑھو۔ اسی سورہ کی آیت ۸ میں منافقین کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی گئی ہے کہ ان منافقین میں سے کوئی مرے تو نہ اس کے جنازے کی نماز پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اگر صحیح عمل میں کوتاہ ہیں، لیکن مسلمان ہیں، منافق نہیں ہیں۔ ان کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ ان کے حق میں دعا کیجئے۔ یہ دعا ان کے لئے باعث سکون ہوگی۔ ظاہر ہے اصل سکون، آخرت ہی کا سکون ہے۔ اور اگر کوئی مومن زندگی میں نبی کی دعا کا خدا کی ہدایت کے تحت مستحق ہے تو وہ مرنے کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مستحق ہے۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھہ سق ہیں“ آپ سے پوچھا گیا وہ کیا ہیں اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا۔ ”جب تم مسلمان بھائی سے ملو تو اس کو سلام کرو، اور جب وہ تمہیں کھانے پر بلائے تو اس کی دعوت قبول کرو، اور جب وہ نصیحت و خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کو نصیحت کرو، اور جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دو، اور جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرو، اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔“

بَابِ دَوْمِ

حُسْنُ مُعَامَلَتِكُمْ

خانگی زندگی کے نظم کو درست رکھنے اور مستحکم بنانے کے لئے مرد
اور عورت دونوں ہی کے کچھ منصفی فرائض ہیں اور گھریلو زندگی اسی وقت
خوشگوار اور نمونہ رحمت بن سکتی ہے جب شوہر اور بیوی دونوں اپنی اپنی
ذمہ داریوں کا حقیقی احساس اور شعور پیدا کریں، اور اپنے اپنے فطری
دائرے میں رہتے ہوئے پورے خلوص، دلسوزی اور مستعدی سے اپنی
اپنی ذمہ داریاں انجام دیں۔ اور اگر کسی ایک نے بھی اپنے فرائض میں
کو تاہی دکھائی تو خاندانی نظم بکھر جائے گا، اور گھریلو زندگی انتشار اور کشاکش
کی نذر ہو جائے گی۔

انسانی تمدن میں نکاح کی حیثیت

نکاح، مرد و عورت کے درمیان محض ایک شہوانی رابطہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک اعلیٰ معاشرتی رشتہ اور ایک پاکیزہ اخلاقی تعلق بھی ہے۔ اسی سے انسانی تمدن کی بنا ہوئی، اور اسی پر اس کے قیام و بقا کا انحصار ہے۔

اسلام نکاح کے ذریعہ مرد اور عورت کے درمیان باہمی اتفاق و یک جہتی، رفاقت، تعاون اور محبت پیدا کر کے تمدن و تہذیب کی مضبوط تعمیر چاہتا ہے۔ اسی لئے اسلام اس کی تاکید کرتا ہے، اور طرح طرح سے اس کی ترغیب دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مرد و عورت کے تعلق کی درستی پر پورے انسانی تمدن کی درستی کا مدار ہے۔ اور اس کے بگاڑ سے پورے تمدن کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نکاح کو زیادہ سے زیادہ آسان اور مقبول بناتا ہے اور اس تعلق کی استواری اور خوشگوارگی کو انسانیت کے حق میں سب سے بڑی رحمت قرار دیتا ہے۔

وَاجِلٌ لَّكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ حَسِينِ

غَيْرِ مُسَافِحِينَ۔ (النساء، ۲۴)

”ان محرمات کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں سب تمہارے لئے حلال ہیں، مگر

(صرف اسی شکل میں کہ) اپنے مال خرچ کر کے ان کو اپنے نکاح میں لے آؤ۔ نہ

یہ کہ آزاد شہوت رانیاں کرنے لگو۔“

اس ٹکڑے سے پہلے ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح حرام ہے۔ ان محرمات کے علاوہ مرد جس عورت سے چاہے تعلق جوڑ سکتا ہے لیکن تعلق جوڑنے کی ایک ہی صحیح شکل ہے کہ ان کے مہر ادا کر کے شرعی قانون کے مطابق ان سے نکاح کیا جائے۔ شرعی نکاح کے بغیر مرد و عورت کا ہر شہوانی تعلق قرآن کے نزدیک حرام ہے، اور ایسا تعلق جوڑنے والے مجرم ہیں۔

فَاِنَّكَ حَوْهٌ بِاٰذِنِ اَهْلِهِنَّ وَاَتَوْهِنَّ اَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسَافِحَاتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتِ اٰخِذَاتِ اِنْ جِئَا
اَحْبَبْنَ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ
مِنَ الْعَذَابِ اِنَّ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا
خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النساء ۲۵)

”تو ان باندیوں کے سر پرستوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کر لو۔ اور معروف دستور کے مطابق ان کے مہر بھی ادا کرو تا کہ وہ تمہارے حصارِ نکاح میں محفوظ ہو کر رہیں۔ کھلم کھلا بدکاریاں نہ کرتی پھریں، اور نہ چوری چھپے آشنا بیاں کرتی پھریں۔ اور اگر تمہارے حصارِ نکاح میں محفوظ ہونے کے بعد بھی کسی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت ادھی سزا ہے جو خاندانی آزاد عورتوں کے لئے ہے۔۔۔۔۔ یہ سہولت ان لوگوں کے لئے رکھی گئی ہے جنہیں شادی نہ ہونے کی صورت میں گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر تم صبر سے کام لو اور اپنے شہوانی جذبات پر قابو رکھو تو یہ تمہارے حق میں بہت زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر کبھی نادانستہ کوئی کوتاہی کر بیٹھو تو فوراً توبہ

کرو) اللہ تعالیٰ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے، اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (اسی لئے تو اس نے تمہارے لئے یہ سب سہولتیں مہیا کی ہیں) ۛ

انسانی تمدن و معاشرت کی بنیاد مرد و عورت کی باہمی رفاقت سے پڑتی ہے، اور اسلام کے نزدیک مرد و عورت کے تعلق کی صورت ایک ہی شکل صحیح ہے اور وہ نکاح کا پختہ اور پاکیزہ معاہدہ ہے۔ اس کے سوا تعلق کی ہر نوعیت غلط ہے ۛ

نکاح انبیاء کی سنت

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُم أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً۔

(الرعد ۳۸)

”اور اے محمد! آپ سے پہلے بھی ہم نے رسول بھیجے اور ان کو بیوی

بچوں والا بنایا تھا ۛ

بعض دین سے نا آشنا لوگ نکاح کو روحانی اور اخلاقی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں اور تجرد و سنیا س کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن قرآن حکیم کی صاف شہادت یہ ہے کہ روحانی ترقی کی معراج پر پہنچے ہوئے انبیاء اور رسول بیوی بچوں والے تھے، اور نکاح ان کی سنت ہے۔

نکاح ایک پختہ عہد

وَآخِذْنَ مِنْكُمْ مِّثْنًا قَائِمًا غَلِيظًا۔ (النساء، ۲۱)

”اور عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں ۛ

ۛ البتہ باندی سے غنسی تعلق کی اجازت قرآن نے دی ہے۔

نکاح کو ”پختہ عہد“ کہہ کر قرآن نے اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اس عہد
نکاح کو زندگی بھر نباہنے کی پوری پوری کوشش کی جائے، اس کے نکلنے پورے
کرنے میں فراخ دلی کا ثبوت دیا جائے۔ ایسی کوئی حرکت ہرگز نہ کی جائے جس سے یہ
پختہ عہد کمزور پڑتا ہو، اور اس پاکیزہ معاہدے کو اسی وقت توڑا جاسکتا ہے جب
اس کے نباہنے کے تمام امکانات واقعی ختم ہو جائیں، اور علیحدگی کے سوانحی الواقع
کوئی چارہ کار نہ رہ جائے۔

نکاح ایک بامقصد تعلق

نِسَاءُكُمْ حَرْفٌ لَّكُمْ فَأَتُوا حَرْثَكُمْ أَنِي شِدَّتُمْ۔ (البقرہ ۲۲۳)

”تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تمہیں اختیار ہے کہ جس طرح چاہو

اپنی کھیتوں میں جاؤ۔“

میاں اور بیوی کا رشتہ محض شہوانی تسکین کا جذبہ بانی تعلق ہی نہیں ہے، بلکہ
انتہائی سنجیدہ اور بامقصد تعلق ہے۔ ان دونوں کی مثال کھیت اور کسان کی سی
ہے۔ مرد نسل انسانی کا کسان ہے اور عورت انسانیت کی کھیتی۔ کھیت میں ایک
کسان محض تفریح اور سیر کے لئے ہرگز نہیں جاتا۔ بلکہ اس مقصد سے جاتا ہے کہ
پیداوار حاصل کرے۔ اس لئے نسل انسانی کے اس کسان کو نسل انسانی کی کھیتی کے
پاس اسی مقصد سے جانا چاہیے، کہ نسل کی پیداوار حاصل کرنی ہے۔

نکاح صالح اولاد کے لئے

وَقَدْ مَوْلَا لِنَفْسِكُمْ۔ (البقرہ ۲۲۳)

”اور اپنے مستقبل کی فکر کرو۔“

یہ انتہائی جامع الفاظ ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ تم نکاح کے ذریعے اپنی نسل کو برقرار رکھنے کی کوشش کرو، تاکہ تمہارے دنیا چھوڑنے سے پہلے تمہاری جگہ دوسرے کام کرنے والے پیدا ہوں، اور یہ فکر بھی کرو کہ آنے والی نسلیں دین و اخلاق، اور انسانیت کے جوہروں سے پوری طرح آراستہ اٹھیں۔ مسلمانوں کے تابناک مستقبل کا انحصار صرف اس بات پر نہیں ہے کہ وہ اپنے بعد اپنی نسلیں چھوڑ جائیں۔ بلکہ اس کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ آنے والی نسلیں دین و ایمان، اخلاق و کردار اور شرافت و انسانیت سے آراستہ ہوں، اور ان کے وجود سے دنیا میں خیر و صلاح کی روشنی پھیلے۔

نکاح قیام تمدن کی اساس

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالسَّلَاحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ
 إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ
 وَلَيْسَتَعَفِيفِ الدِّينِ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ
 فَضْلِهِ ۗ (النور، ۳۲، ۳۳)

د اور تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہاری لونڈی غلاموں میں جو صالح ہوں ان کے نکاح کرو، اگر وہ نادار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا، اور جو نکاح کی وسعت نہ رکھتے ہوں انہیں چاہیے کہ پاکدامنی اختیار کئے رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔

قرآن ہر مرد و عورت کو نکاح کی تاکید کرتا ہے، اور حکم دیتا ہے کہ آدمی اپنی

شہوانی حاجت صرف اسی مستقل، پائدار اور معلوم و معروف طریقے سے پوری
 کر لے۔ نکاح کے سوا مرد و عورت کا ہر شہوانی تعلق حرام ہے اور انسانیت کے
 لئے تباہ کن ہے۔ اسی لئے قرآن معاشرہ میں کسی مرد یا عورت کو بن بیاہ دیکھنا
 پسند نہیں کرتا اور پورے معاشرے کو اس مسئلہ سے دلچسپی لینے کی ہدایت کرتا ہے
 اور اگر کوئی مفلس نکاح کا موقع نہ پاتا ہو تو اس کو بھی یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے جوہر
 انسانی کی حفاظت کرے۔ لطف اندوزی کے آزادانہ مواقع تلاش کر کے اپنی
 پاکدامنی کو داغدار نہ بنائے، اور انسانی تمدن کی جڑ نہ کاٹے بلکہ انتظار کرے کہ
 اللہ تعالیٰ اسے اتنی وسعت بخشے کہ وہ نکاح کا پاکیزہ رشتہ استوار کر سکے اور ایک
 نئے گھر اور خاندان کی بنیاد ڈال سکے۔

نکاح انسانی تمدن کے قیام کا واحد ذریعہ ہے۔ کیونکہ تمدن کی توپیدائش
 ہی ایک مرد و عورت کے مل کر رہنے، ایک گھر اور خاندان وجود میں لانے اور پھر
 خاندانوں کے درمیان رشتے اور رابطے پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ اگر مرد و عورت
 کو یہ آزادی مل جائے کہ وہ گھر اور خاندان کی تخلیق سے قطع نظر محض لطف و لذت
 کے لئے بلیں اور الگ ہو جائیں تو سارے انسان بکھر کر رہ جائیں اور اجتماعی زندگی
 کی جڑ کٹ جائے اور وہ بنیاد ہی باقی نہ رہے جس پر تہذیب و تمدن کی عمارت اٹھتی
 ہے۔ اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی ذمہ دارانہ زندگی سے
 منہ موڑنے والوں کو یہ سخت ترین وعید سنائی ہے کہ ”ایسے لوگوں سے میرا کوئی واسطہ
 نہیں“ حقیقت بھی یہ ہے کہ نکاح کے پاکیزہ رشتہ کو چھوڑ کر دوسرے ذرائع
 سے اپنی حاجتوں کو پورا کرنے والے معاشرے کے سخت ترین مجرم اور انسانی تمدن

کے بدترین دشمن ہیں۔ ایسے لوگوں کا نہ رسول خدا سے کوئی واسطہ ہے اور نہ اسلامی معاشرہ میں ان کے لئے کوئی گنجائش ہے۔

کاح بقائے نوع انسانی کا ذریعہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ
وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَ
نِسَاءً - (النسار)

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! جس نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔“

نوع انسانی کی بقا کا انحصار اس بات پر ہے کہ عورت اور مرد کا باہمی تعلق نکاح کے مستقل اور پائیدار عہدِ وفا پر استوار ہو، اور یہ دونوں محض وقتی لذت کے لئے ملنے اور الگ ہونے میں آزاد نہ ہوں، کیونکہ اس کے بغیر نسل انسانی ایک دن کیلئے میں چل سکتی۔ انسانی بچہ اپنی زندگی اور نشوونما کے لئے کئی برس کی دردمندانہ نگہداشت و تربیت کا محتاج ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب دونوں کی رفاقت پائیدار و معلوم و معروض ہو، اور دونوں کے درمیان مستقل اور پائیدار تعاون ہو۔

کاح رحمت و مودت کی بنیاد

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ وَدَّةً وَرَحْمَةً - (الروم ۲۱)

”اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی

جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں، تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی۔“

نکاح و بیہ سکون

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا

زُجْرَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا۔ (الاعراف ۱۸۹)

”وہ خدا ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی

جنس سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس کے پاس سکون حاصل کر لے۔“

یہاں سکون سے مراد اصلاً تو شہوانی سکون ہی ہے۔ لیکن یہ ایک واضح حقیقت

ہے کہ جائز شہوانی سکون پوری زندگی میں سکون و اطمینان کے ہم معنی ہے۔ اور اس

سکون سے محرومی پوری زندگی میں انتشار اور تباہی کے ہم معنی ہے۔

نکاح حفاظت عصمت کا ذریعہ

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ۔ (البقرہ ۱۸۷)

”عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں، اور تم عورتوں کے لئے لباس ہو۔“

جس طرح لباس انسانی جسم کی پردہ پوشی کرتا ہے اور ہر طرح سے حفاظت کرتا

ٹھیک اسی طرح ایک عورت مرد کی پردہ پوشی بنتی ہے اور اس کے جوہر عصمت

حفاظت کرتی ہے۔ اور مرد عورت کی پردہ پوشی کرتا ہے اور اس کی عفت و عصمت

کا محافظ بنتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نوجوان کو تاکید فرمائی ہے

”جو نوجوان بھی نکاح کر سکتا ہو وہ ضرور نکاح کر لے کیونکہ نکاح نگاہ کو بد نظری

بچانے اور آدمی کی عفت کو قائم رکھنے کا بڑا ذریعہ ہے۔“

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا۔ اس شخص کی مدد اللہ کے ذمہ ہے جو پاک دامن
رہنے کے لئے نکاح کرے۔

نکاح خانہ آبادی

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْكَاذِبِينَ
أَوْ تَوَالِئِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ اجُورَهُنَّ الْمُحْصَنَاتِ
غَيْرِ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِينَ أَخْدَانٍ ط (المائدہ ۵۸)

”اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی تمہارے
لئے حلال ہیں، بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے ان کے محافظ بنو، نہ یہ کہ آزاد شہوت
رانیاں کرنے لگو، اور چوری کھینچے آشنا بیاں کرو۔“

نکاح انسانی جو ہر عصمت کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ ہے اور اس کا
مقصود یہ ہے کہ آدمی خانہ آبادی کر کے اپنی تمام شہوانی قوتوں کو سمیٹ کر گھر میں مرکوز
کر لے، اور ہر طرح کی آوارگی اور بد کرداری سے اپنے کو بچا کر ایک نئے خاندان کی
بنیاد ڈالے۔

نکاح کی تاکید

وَأَنْتُمْ حُرُّ الْأَيَّامِ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِنَّا بِكُمْ
إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (النور ۳۲)

”اور تم میں سے جو لوگ مجرّم ہوں، اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو
صالح ہوں ان کے نکاح کر دو، اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے
انہیں خوشحال کر دے گا۔ اور اللہ بڑی وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔“

”ایامی“ سے مراد وہ تمام مرد اور عورتیں ہیں جو بے زوج ہوں، ایامی، ایتیم کی جمع ہے۔ ایتیم ہر اُس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو اور اسی طرح ہر اُس مرد کو کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو۔

قرآن حکیم تاکید کرتا ہے کہ تمام غیر شادی شدہ مردوں، اور عورتوں کے نکاح کئے جائیں اور معاشرہ میں کسی مرد اور عورت کو بن بیاہ نہ رہنے دیا جائے۔ حتیٰ کہ لونڈی غلاموں کو بھی بن بیاہ نہ رکھا جائے۔ قرآن اپنے اس حکم میں صرف صاحب معاملہ نوجوانوں ہی کو تاکید نہیں کرتا، بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب فرماتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خاندان کے لوگ، دوست احباب، رشتہ دار اور پڑوسی سب ہی اس معاملہ میں دلچسپی لیں، اور جس کا کوئی نہ ہو اس کے نکاح میں خود حکومت مدد کرے۔

پھر نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: ”اگر وہ غریب ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں غنی کر دے گا“ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر نکاح کرنے والا لازماً مالدار ہو جائے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں لوگ بہت زیادہ حسابی بن کر نہ رہ جائیں۔ اس فقرے میں نکاح کرنے والے مرد و عورت اور ان کے متعلقین کی ذہنی اصلاح کے لئے اہم اشارات فرمائے گئے ہیں۔

لڑکی والوں کو یہ ہدایت ہے کہ اگر ان کے یہاں کسی شریف اور صالح لڑکے کا پیغام آئے تو وہ محض اس کی ناداری دیکھ کر انکار نہ کر دیں۔ لڑکے والوں کو تلقین ہے کہ وہ کسی نوجوان کو محض اس لئے نہ بٹھائے رکھیں کہ وہ بہت زیادہ نہیں کما رہا ہے، اور خود نوجوانوں کو نصیحت ہے کہ وہ بہت کشائش اور خوشحالی کے انتظار میں اپنی شادی کو خواہ مخواہ نہ ٹالتے رہیں، جو تھوڑی بہت آمدنی بھی ہو خدا پر بھروسہ کر کے شادی کر ڈالنا چاہیے اکثر ایسا ہوتا ہے

کہ خود شادی آدمی کے حالات درست کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، بیوی کی مدد سے اخراجات قابو میں آجاتے ہیں۔ ذمہ داریاں سر پر آجانے کے بعد خود بھی آدمی پہلے سے بہت زیادہ محنت کرنے لگتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسے معلوم کہ مستقبل میں کس کے لئے کیا لکھا ہے، اور کس کو اللہ تعالیٰ کی بنا نے والا ہے۔ اس لئے آدمی کو نکاح کے معاملہ میں ایک حد تک تو اپنی آمدنی کا لحاظ کرنا چاہیے لیکن بہت زیادہ حساسی بننے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

نکاح میں ایمان و اسلام کی اہمیت

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَا مِمَّنْ طَفَأَ كَيْدَهُ فَمُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ
مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا
إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ
آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (البقرہ ۲۲۱)

» (مسلمانو!) تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن باندی، مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں کتنی ہی بھلی لگے۔ اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک سے کبھی نہ کرنا جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن غلام، مشرک آزاد مرد سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو۔ یہ مشرک تمہیں آگ کی طرف بلا رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے وہ اپنے احکام کھول کھول کر لوگوں

کے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ وہ سبق لیں اور نصیحت حاصل کریں۔

قرآن ایک مومن کو ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی مشرک سے رشتہ نکاح قائم کرے۔ اسی طرح وہ ایک مومنہ کو بھی یہ اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ وہ کسی مشرک سے عقد نکاح باندھے۔ کیونکہ نکاح محض ایک شہوانی تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ ایک سنجیدہ تمدنی، اخلاقی اور قلبی تعلق ہے اور ایک مومن یہ قلبی تعلق صرف ایک مومن ہی سے قائم کر سکتا ہے۔ ایک مشرک رفیق حیات کے افکار و خیالات، طور و طریق نہ صرف یہ کہ شخص متعلق پر پڑیں گے اور اس کے دین و ایمان کو خطرہ لاحق ہوگا، بلکہ اس کی آنے والی نسل بھی اس کے گھناؤنے اثرات سے متاثر ہوگی۔ اور ایک مومن ہرگز اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ محض شہوانی جذبات کی تسکین کی خاطر وہ اپنی نسلوں کے دین و ایمان کو خطرہ میں ڈالے۔

پاکیزہ مردوں کیلئے پاکیزہ عورتیں

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ، وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ

لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ۔ (النور ۲۶)

”خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں، اور خبیث مرد خبیث

عورتوں کے لئے۔ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں، اور پاکیزہ مرد

پاکیزہ عورتوں کے لئے۔“

یعنی پاکیزہ لوگوں کا جوڑا پاکیزہ لوگوں ہی سے لگ سکتا ہے۔ نہ یہ مناسب ہے

کہ کوئی پاکیزہ مرد کسی کھینی اور خبیث عورت سے تعلق جوڑے، اور نہ یہ جائز ہے کہ

کوئی پاکیزہ عورت کسی کھین اور خبیث مرد سے رشتہ جوڑے۔ اور نہ ایسے جوڑوں سے

ان بھلائیوں اور برکتوں کی توقع کی جاسکتی ہے، جس کے لئے اسلام نے نکاح کی تاکید کی ہے۔

زانیہ عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے۔

وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرْمَةٌ ذَا لِكَ

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ (النور ۳)

”اور زانیہ عورت کے ساتھ زانی مرد یا مشرک کا نکاح ہی موزوں ہے۔

اور صالح اہل ایمان پر یہ حرام کر دیا گیا ہے“

بدکاروں سے نکاح نہ کیا جائے

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً - (النور ۳)

”زانی مرد کا نکاح زانیہ یا مشرکہ کے ساتھ ہی موزوں ہے“

یعنی جو لوگ کھلم کھلا بدکاریوں میں مبتلا رہیں ان کے رشتے صالح لڑکیوں کے

ساتھ ہرگز نہ ہونے چاہئیں۔ اہل ایمان کے لئے یہ حرام ہے، کہ وہ جانتے بوجھتے

اپنی بیٹیاں زناکاروں کو دیں اور اسی طرح صالح مومنوں کے لئے بھی یہ بات حرام

ہے کہ جن عورتوں کی بدچلتی کا حال انہیں معلوم ہو، ان سے دانستہ نکاح کریں۔

حرام عورتیں

نسل انسانی کی بقا اور مرد و عورت کے فطری سکون کا انحصار ہی اس بات

لے یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے۔

پر ہے کہ دونوں صنفوں میں باہم جنسی تعلق قائم ہو۔۔۔ قرآن اس تعلق کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے، اسے ضروری قرار دیتا ہے، اور اس سے فرار کو ناپسند کرتا ہے۔ لیکن وہ اس تعلق کے قیام میں انسان کو قطعاً آزاد نہیں چھوڑتا، بلکہ کچھ پابندیاں لگاتا ہے، اور کچھ حدود مقرر کرتا ہے۔ یہ حدود اور پابندیاں نسب اور رشتوں کے احترام و حفاظت خاندانی تعلقات کی استواری اور پاکیزگی، باہمی اتحاد و تعاون، اور صالح معاشرت کے لئے انتہائی ناگزیر ہیں۔ معاشرہ کی صلاح و بقا کے لئے جس طرح دونوں صنفوں کا باہمی تعلق ضروری ہے، اسی طرح حرمت کے ان حدود کی پابندی بھی ضروری ہے۔ قرآن جن رشتوں میں باہم نکاح کو حرام قرار دیتا ہے اس حرمت کے تین وجوہ بیان کرتا ہے۔ نسب، رضاعت، مصاہرت۔

- ۱۔ حرمت نسب: حقیقی ماں باپ کے تعلق سے جو رشتے قائم ہوتے ہیں، یہ بنیادی طور پر سات ہیں۔ ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی کے رشتے۔ ان رشتوں میں باہم نکاح حرام ہے۔ اور اس حرمت کی وجہ حرمت نسب ہے۔
- ۲۔ حرمت رضاعت: لڑکی یا لڑکا اگر کسی عورت کا دودھ پی لیں تو وہ عورت دودھ پینے والے کی رضاعی ماں، اور اس کا شوہر رضاعی باپ قرار پاتا ہے۔ اور رضاعی ماں باپ سے اسی طرح نکاح حرام ہو جاتا ہے جس طرح حقیقی ماں باپ سے۔ پھر اس رضاعت کے تعلق سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو حقیقی ماں باپ کے تعلق سے حرام ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کے تعلق سے حرام ہوتے ہیں۔“

۳۔ حرمتِ مصاہرت: نکاح کے تعلق سے بھی بعض رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔ اس کو حرمتِ مصاہرت کہتے ہیں۔ مصاہرت کے سبب حرام ہونے والے رشتے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کی حرمت دائمی ہے۔ مثلاً بیوی کی ماں (خوشد امن) بیٹی کی بیوی (بہو) اور اس بیوی کی لڑکی جس سے خلوت ہو چکی ہو۔۔۔۔۔ ان رشتوں میں باہم نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتا ہے۔ دوسرے وہ رشتے ہیں جن کی حرمت دائمی نہیں ہے۔ مثلاً بیوی کی بہن اور غیر نوزاد بیوی کی بیٹی۔ بیوی کی موجودگی میں ان سے نکاح حرام ہے۔ لیکن بیوی کے مرنے یا تعلق ختم ہونے کے بعد ان میں سے کسی سے بھی نکاح کیا جاسکتا ہے۔

سوتیلی ماں

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا (النساء ۲۲)

”اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے ہرگز نکاح

نہ کرو۔ جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ درحقیقت یہ ایک بے حیائی کا کام ہے، نا

پسندیدہ بات ہے، اور برا چلن ہے۔“

اس سے اگلی آیت (۲۳) میں ان عورتوں کی فہرست بیان کی گئی ہے جن سے

نکاح حرام ہے۔ اور ان میں سب فہرست ماں کا ذکر ہے۔ ماں کا اطلاق سگی اور سوتیلی

دونوں قسم کی ماؤں پر ہوتا ہے۔ لیکن مذکورہ آیت (۲۲) میں سوتیلی ماں کی حرمت کا

خصوصی ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں بعض بے حیا لوگ باپ،

دادا کی منکوحہ سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ اگرچہ اس دور میں یہی سنجیدہ اور سمجھدار

لوگ اس نکاح کو برا سمجھتے تھے۔ اور اس تعلق سے پیدا ہونے والی اولاد کو بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس بے حیائی اور بے غیرتی کے فعل کو حرام قرار دیا۔ سوتیلی ماں کو سگی ماں کی طرح محترم گردانا، اور پوری اہمیت کے ساتھ اس حکم کو الگ بیان کیا۔

محرمات سے نکاح یا شہوانی تعلق اسلام کی نظر میں بدترین بے حیائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مجرموں کو قتل اور ضبطی جائداد کی سزا دیا کرتے تھے۔ اور ابن ماجر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا تھا:-

”جو شخص محرمات میں سے کسی سے ملوث ہو اس کو قتل کر دو“

آباء کی منکوحہ سے مراد باپ کی منکوحہ تو ہے ہی۔ لیکن آباء کے لفظ سے دادا، پردادا، اور نانا، پر نانا سب مراد ہیں، ان کی منکوحہ بھی باپ کی منکوحہ کی طرح حرام ہے۔

ماں

حُرْمَتٌ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ۔

”تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں“

ماں کے حکم میں دادی، نانی بھی داخل ہیں۔ اور پھر دادی اور نانی کی ماں اور

ماں کی ماں، اور پرتک سب حرام ہیں۔

بیٹی

”اور تمہاری بیٹیاں“

وَبَنَاتُكُمْ۔

بیٹی کے حکم میں پوتی، نواسی، ان کی بیٹیاں، اور بیٹیوں کی بیٹیاں نیچے تک
سب شامل ہیں۔

بہن

وَآخَوَاتِكُمْ۔

”اور تمہاری بہنیں“

بہنوں میں سگی بہن کے علاوہ ماں شریک بہن اور باپ شریک بہن بھی
شامل ہے۔

پھوپھی

وَعَمَّتُكُمْ۔

”اور تمہاری پھوپھیاں“

پھوپھی کے حکم میں۔ دادا کی بہن اور اپر تک کی پشتوں کی بہن سگی ہو یا تھیلی
سب شامل ہیں۔

خالہ

وَحَالَاتُكُمْ۔

”اور تمہاری خالائیں“

ماں کی بہن کے علاوہ نانی، پر نانی کی بہنیں، سگی ہوں یا سوتیلی سب کا یہی حکم ہے۔

بھتیجی

وَبَهْنَتُ الْاٰخِرِ۔

”اور تمہاری بھتیجیاں“

بھائی خواہ سگا ہو یا سوتیلی اس کی بیٹی اسی طرح حرام ہے جس طرح اپنی بیٹی، اور کچھ
ان بھتیجیوں کی بیٹیوں کا بھی یہی حکم ہے۔
بھانجی

وَبَدْنُ الْأُخْتِ -

”اور تمہاری بھانجیاں“

بہن سگی ہو یا سوتیلی، اس کی بیٹیاں، اور بیٹیوں کی بیٹیاں سب حرام ہیں۔

رضاعی ماں

وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ -

”اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا“

رضاعی ماں اور رضاعی باپ کے تعلق سے وہ تمام رشتے حرام ہیں جو حقیقی ماں باپ

کے تعلق سے حرام ہیں۔

رضاعی بہن

وَأَخْوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ -

”اور تمہاری دودھ شریک بہنیں“

خوشدامن

وَأُمَّهَاتُ نِسَاءِكُمْ -

”اور تمہاری بیویوں کی مائیں“

بیوی کی ماں حقیقی ماں کی طرح ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور جس عورت سے

محض نکاح ہوا ہو، اور خلوت کا موقع نہ مل سکا ہو اس کی ماں سے بھی نکاح حرام ہے۔

اور اس حرمت پر چاروں ائمہ کا اتفاق ہے۔

سوتیلی بیٹی

وَرَبَايَاتِكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَاءِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ -

”اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے

— ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تم محبت کر چکے ہو۔“

گودوں میں پرورش پانے کی بات اس حقیقت کی تصویر کشی ہے کہ یہ حکم فطری حیا کا عین تقاضا اور ذوق سلیم کی حقیقی ترجمانی ہے۔ بھلا شریف آدمی کا ذوق سلیم یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس لڑکی سے شہوانی رشتہ جوڑے جس نے بیٹی کی طرح گود میں پرورش پائی ہو؟ گود میں پرورش پانے کی بات کوئی ایسی شرط نہیں ہے جس سے نکاح کے حلال و حرام ہونے پر کوئی اثر پڑتا ہو، جس سوتیلی بیٹی نے باپ کے گھر میں پرورش نہ پائی ہو وہ بھی سوتیلے باپ کے لئے حرام ہے۔

بہو

وَحَلَائِلُ أَبْنَاءِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ -

”اور تمہارے ان بیٹیوں کی بیویاں (تم پر حرام کی گئیں) جو تمہاری پشت

سے ہوں۔“

”تمہاری پشت سے ہوں“ کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ متبہنی کی مطلقہ سے

نکاح سبائز ہے بیٹے کی بیوی کے حکم میں پونے اور نواسے کی بیوی بھی داخل ہے۔

بیک وقت دو بہنیں

وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ -

”اور دو بہنوں کا بیک وقت نکاح میں جمع کرنا تم پر حرام کیا گیا۔“

ایک بہن اگر نکاح میں ہو تو اس کی دوسری بہن سے نکاح حرام ہے۔ ہاں اگر وہ مر جائے یا نکاح ختم ہو جائے تو عدت کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا جاسکتا ہے۔

بہن ہی کی طرح اس کی خالہ، پھوپھی، بھانجی اور بھتیجی کا بھی حکم ہے۔ بیوی کی موجودگی میں ان میں سے کسی سے نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ فقہنا حرنے اس کے لئے ایک اصول بتلایا ہے کہ ایسی دو عورتوں کا بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کر لیں تو دوسری سے اس کا نکاح حرام ہو۔

دوسرے کی منکوحہ

وَالَّذِي حَصَّنْتُ مِنَ النِّسَاءِ - (النساء ۲۴)

”اور (وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں) جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں۔“

حلال عورتیں

جنگ میں پکڑی ہوئی عورتیں

إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْدَاكُمْ -

”مگر وہ عورتیں (حلال ہیں) جو (جنگ میں) تمہارے ہاتھ آئیں۔“

جو عورتیں جنگ میں پکڑی ہوئی آئی ہوں اور ان کے کافر شوہر دار الحرب میں موجود

سے یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح یا جنسی تعلق قائم کرنا جائز ہے۔

دین و ایمان کے لئے کچھ واقعی اندیشے ہوں تو پھر ان سے صرف نظر کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔
کیونکہ اجازت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس سے آدمی بہر حال فائدہ اٹھائے۔
مسلمان لونڈیاں

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَكْرِهَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ
فِي مَمْلَكَتِ أَيْمَانِكُمْ مِنْ فِتْيَتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ (النساء ۲۵)
”اور تم میں سے جو شخص اتنی وسعت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی آزاد مسلمان عورت
سے نکاح کر سکے تو اسے چاہیے کہ وہ تمہاری ان لونڈیوں سے نکاح کر لے جو
تمہاری ملکیت میں ہوں اور مومنہ ہوں۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا غریب اور نادار ہو کہ وہ آزاد خاندانی عورت
کا ہر اور نفقہ ادا کرنے کی سکت نہ رکھتا ہو تو اس کو یہ اجازت ہے کہ وہ مسلمان
لونڈیوں سے نکاح کر لے۔

سوتیلی لڑکی اگر بیوی سے صحبت نہ کی ہو

فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (النساء ۲۲)

”اور اگر تم نے بیویوں سے قربت نہیں کی ہے تو تم پر کوئی گناہ نہیں رکھ اپنی

سوتیلی لڑکیوں سے نکاح کر لو۔“

اگر کسی عورت سے نکاح ہوا، اور خلوت کا موقع ملنے سے پہلے ہی کسی وجہ سے
تعلق منقطع ہو گیا تو اس عورت کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔
متنبی کی مطلقہ

فَلَمَّا قَضَى زَيْدًا مَتْرًا وَطَرًا زَوَّجْنَا لَهَا لَيْلَىٰ لَا يَكُونُ عَلَيَّ

الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجٍ أَدْعِيَاءِهِمْ إِذَا قَنَعُوا مِنْهُنَّ وَطَرًا۔
(الاحزاب، ۳)

”پھر جب زید ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے تو ہم نے ان کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹیوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکیں۔“

”حاجت پوری کر چکے“ یعنی طلاق دے دی، اور عدت بھی گزر گئی۔ یہ واقعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہما حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر چکے تھے۔ آپ نے ان کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا تھا، لیکن دونوں میں نباہ نہ ہو سکا۔ اور آخر کار حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ جب عدت گزر گئی تو ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ قرآن حکیم نے اس نکاح کی حکمت و مصلحت یہ بیان کی ہے کہ مسلمانوں کو خدا کا یہ حکم معلوم ہو جائے کہ اگر ان کے منہ بولے بیٹے اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں تو عدت گزرنے کے بعد ان المطلقات سے بے کٹھنک نکاح کیا جاسکتا ہے۔ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا کہ اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہو۔

نکاح کے احکام

نکاح علانیہ کیا جائے

فَاَنْكِحُوهُنَّ بِاِذْنِ اٰهْلِهِنَّ وَاتَوْهِنَ اجْوَرَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسْفِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ اٰخْدَانٍ۔ (النساء ۲)

”پس ان لونڈیوں سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے نکاح کر لو۔

اور معروف طریقے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، تاکہ وہ حصارِ نکاح میں پاکیزہ

بن کر رہیں۔ آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں، اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کریں۔“

آوارگی اور چوری چھپے آشنائیوں سے بچانے کے لئے قرآن نے نکاح کے

پاکیزہ اور معروف طریقے کی تاکید کی ہے۔ تو ضروری ہے کہ یہ تعلق معلوم و معروف ہو۔

اور نکاح علانیہ کیا جائے۔ اسی لئے فقہانے پسند کیا ہے کہ نکاح عام پبلک

مقامات پر کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ شرکت کر سکیں اور سن سکیں۔

نکاح میں مہر ضروری ہے

وَاجِلٌ لَّكُمْ مِمَّا دَرَأَوْذَالِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوا بِاَمْوَالِكُمْ۔ (النساء ۲)

”اور ان حرام عورتوں کے علاوہ جتنی عورتیں ہیں سب تمہارے لئے حلال

ہیں، اس طرح کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو۔“

۱۔ ان حرام عورتوں کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

نکاح میں انتخاب کی آزادی

فَاَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ۔ (النساء ۳)

”نکاح کرو اپنی پسند کی عورتوں سے۔“

یعنی نکاح میں شریک حیات کے انتخاب کا حق بنیادی طور پر اسی کو حاصل ہے جس کا نکاح ہو رہا ہے۔ پھر یہی حق عورت کو بھی حاصل ہے اور وہ بھی رفیق حیات کے انتخاب میں آزاد ہے۔ اہل خاندان کو یہ حق نہیں کہ وہ لڑکی یا لڑکے کی مرضی کا لحاظ کئے بغیر ان کو رشتہ نکاح میں باندھ دیں اور بے جا طور پر ان سے یہ توقع رکھیں کہ وہ اپنی واقعی پسند کے خلاف عمر بھر تک نباہ کرتے رہیں۔

ایکے زائد نکاح کی اجازت

فَاَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ

وَرُبَاعًا۔ (النساء ۳)

”پس جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان میں سے دو، دو، تین تین،

چار چار سے نکاح کرو۔“

قرآن حکیم نے پوری صراحت کے ساتھ ایک سے زائد نکاح کی اجازت دی ہے، اور یہ اجازت انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ بعض حالات میں تعدد ازواج ایک تمدنی تقاضا اور ایک اخلاقی ضرورت بن جاتی ہے۔ اگر اس کی اجازت نہ ہو تو پھر وہ لوگ جو ایک عورت پر قناعت نہیں کر سکتے، دائرہ زوجیت سے باہر اخلاقی آوارگی اور منفی انار کی پھیلاؤ لگیں گے۔ اس

لئے قرآن نے ان لوگوں کو جو اس کی واقعی ضرورت محسوس کرتے ہوں، صاف
 صاف اجازت دی ہے کہ وہ اپنی رغبت اور پسند کے مطابق ایک سے زائد
 نکاح کر سکتے ہیں، اور ایسا کرنے میں کسی پہلو سے قطعاً برائی کا کوئی شائبہ نہیں۔
 انصاف نہ کر سکو تو ایک ہی بیوی رکھو

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً - (النساء ۳)

»پس اگر یہ اندیشہ ہو کہ (ایک سے زائد بیویوں کے درمیان) انصاف

نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو۔»

بلاشبہ قرآن نے چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اگر کسی کو یہ اندیشہ
 ہو کہ وہ ایک سے زائد بیویوں کے درمیان انصاف قائم نہ رکھ سکے گا تو پھر اس
 کو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی انصاف نہ
 کر سکے والا شخص دوسرا نکاح کرے تو وہ باطل ہوگا۔ شریعت کی رو سے ایسا
 نکاح جائز ہوگا۔ البتہ ایسا شخص خدا اور بندوں کی نظر میں خطا کار ہوگا۔ کہ وہ خدا
 کی اجازت سے فائدہ اٹھانے کے لئے تو مستعد ہے لیکن بیویوں کے درمیان انصاف
 کی شرط پوری کرنے کی ہمت اور حوصلہ نہیں رکھتا۔ ایسا شخص دوسرا نکاح کر کے خدا
 کے ساتھ دغا کرتا ہے۔ آخر اس بے ہمت اور ہمت بے حوصلے کے ساتھ اسے دوسرے
 نکاح کا کیا حق ہے؟

بیویوں کے درمیان مطلوب انصاف

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا

تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا

فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا (النساء ۱۲۹)

”اور تمہارے بس میں نہیں کہ بیویوں کے درمیان پورا پورا انصاف کر سکو تم چاہو بھی تو نہیں کر سکتے۔ پس خدائی قانون کا منشا پورا کرنے کیلئے یہ کافی ہے کہ ایک بیوی کی طرف ایسے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو یونہی (بے سہارا) لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنے طرز عمل کو درست رکھو، اور خدا سے ڈرتے رہو تو وہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

ایک سے زائد نکاح کرنے کی شکل میں قرآن نے انصاف اور مساوات کی جو شرط لگائی ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آدمی ہر حالت میں تمام حیثیتوں سے بیویوں کے درمیان برابری کا سلوک کرے۔ آدمی انتہائی خواہش کے باوجود بھی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ ہر پہلو سے مساوات برت سکے۔ تو پھر کیا خدا نے ایک ناممکن کام کرنے کا حکم دیا ہے؟ نہیں، بلکہ خدائی قانون کا منشا یہ ہے کہ آدمی اپنے اسکان بھر معاملات حقوق، لباس، خوراک، مسکان اور شب باشی میں پورا پورا انصاف کرے اور مساوات برتے۔ آدمی کی ذمہ داری اس کے اسکان اور قدرت کی حد تک ہے۔ اگر وہ قصداً کوئی زیادتی نہیں کرتا، سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے، اور سب کے ساتھ ایک سا سلوک کرتا ہے، تو فطری مجبوریوں کے تحت تھوڑی بہت جو کوتاہیاں ہونگی اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان حقوق کی تقسیم میں پورا پورا انصاف فرماتے۔ اور دعا فرمایا کرتے: ”لئے اللہ!

یہ میری تقسیم ہے، ان چیزوں میں جن پر میرا قابو ہے تو مجھے اس چیز میں ملامت نہ کر جو خالص
تیرے قبضے میں ہے، میرے قبضے میں نہیں۔“

تعدد ازواج کی حد

فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعًا (النساء، ۳)

”اپنی پسند کی عورتوں میں سے دو، دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرو۔“

قرآن کی اس آیت نے تعدد ازواج کو محدود کر دیا ہے۔ امت کے تمام فقہاء
اس پر متفق ہیں کہ بیک وقت صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ احادیث رسول
سے بھی آیت کے اسی مفہوم کی تصدیق ہوتی ہے طائف کارئیس غیلان جب مسلمان ہو
تو اس وقت اس کے نکاح میں تو بیویاں تھیں، آپ نے اُسے حکم دیا کہ صرف چار بیویاں
رکھ لو اور باقی کو چھوڑ دو۔“

عدت میں نکاح نہ کرو

وَلَا تَعْرَمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ (البقرہ، ۲۳۵)

”اور نکاح کر لینے کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک عدت پوری نہ ہو

جائے۔“

یعنی دورانِ عدت نکاح کا قطعی فیصلہ نہ کر لو۔ ہاں اگر اشاروں میں عورت تک
اپنا مدعا پہنچا دو تو کوئی ہرج نہیں۔

عدت میں صاف صاف پیغام نہ دو

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ

أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي النِّسَاءِ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا تَكْفُرُونَ وَلَكِنْ

لَا تُؤَاعِدُوا وَهْنًا سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ط (البقرہ ۲۳۵)

”اور عدت کے زمانے میں بیوہ عورتوں سے منگنی کا ارادہ خواہ تم اشکے
کنائے میں ظاہر کر دو یا دل میں چھپائے رکھو، دونوں صورتوں میں کچھ مضائقہ
نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان کا خیال تو تمہارے دل میں آئے گا ہی مگر
دیکھو خفیہ عہد و پیمان نہ باندھنا۔ اگر کوئی بات کرنی ہے تو معروف دستور کے
مطابق ہی کرو۔“

یعنی جب تک عورت عدت میں ہے نہ تو اس کو صاف نکاح کا پیغام
بھیجو، نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ لو۔ ہاں اگر کوئی دل میں ایسی خواہش رکھے، یا
اشاروں کنایوں میں اس تک اپنی خواہش پہنچا دے، تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔
لیکن عدت کے دوران یہ اجازت نہیں کہ دونوں نکاح کا کھلم کھلا فیصلہ کریں۔

مہر کے احکام

مہر دینا فرض ہے

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً

(النساء ۲۴)

”عورتوں سے ازدواجی زندگی کا لطف اٹھانے کے بدلے ان کے

مہر بطور فرض ادا کرو۔“

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ

أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ - (المائدہ ۵)

”آزاد مسلمان عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں اور ان کی آزاد عورتیں
بھی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، بشرطیکہ ان کے مہر ادا کر کے ان
سے نکاح کرو۔“

مہر بخوشی ادا کرو

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ط۔ (النساء ۴)

”اور عورتوں کے مہر خوشی خوشی ادا کرو دیا کرو۔“

دیا ہوا مہر واپس نہ لو

وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ
قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذْ وَامِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَ بِهَتَائِكُمْ وَإِنَّمَا
مُبَيِّنًا وَكَيْفَ تَأْخُذُونَ وَقَدْ أَقْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَ
أَخَذَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (النساء ۲۰، ۲۱)

”اور اگر تم ایک عورت چھوڑ کر دوسری عورت لے آنے کا ارادہ ہی کر لو۔“

اور پہلی کو (چاہے) ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔

کیا تم ناحق کھلم کھلا ظلم کر کے واپس لو گے؟ اور تم یہ مال کس منہ سے واپس لو گے

جبکہ تم اپنی بیویوں سے لطف اٹھا چکے ہو؟ اور وہ تم سے پختہ عہد بھی لے چکی

ہیں۔“

نکاح ایک پختہ عہد ہے۔ ایک عورت یہ اطمینان کر کے ہی خود کو ایک مرد کے

حوالے کرتی ہے کہ دونوں زندگی بھر اس پختہ عہد کو نباہنے کی کوشش کریں گے؟ پھر

اگر ازدواجی زندگی کا لطف اٹھانے کے بعد کوئی مرد اپنی خواہش سے خود ہی اس عہد کے

ٹوڑنا چاہے تو اسے معاہدہ کے وقت پیش کردہ مال کے واپس لینے کا کیا حق ہے؟ اور
 کس منہ سے وہ اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے؟
 غیر مدخولہ کا مہر

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ
 فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔ (البقرہ، ۲۳۷)

”اور اگر تم نے عورت کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دی لیکن مہر مقرر
 کیا جا چکا ہے تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا۔“

دائے مہر میں فیاضی کی تاکید

أَوْ يَعْضُوا أَلَدِي بِيَدِهِ عُقْدَةَ النِّكَاحِ فَإِنْ تَعَفَوْا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى
 وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (البقرہ، ۲۳۷)

”غیر مدخولہ کا مہر تو نصف ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مرد جس کے اختیار میں
 عقد نکاح ہے فیاضی سے کام لے (اور پورا مہر دے دے) اور تم فیاضی سے کام لو
 تو یہ تقویٰ سے زیادہ لگتی بات ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو تمہارا
 اعمال کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔“

اجتماعی زندگی میں قانونی حق کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن اجتماعی زندگی کی خوشگوازی
 اس میں نہیں ہے کہ ہر شخص بس اپنے قانونی حق پر ہی اڑا رہے۔ بلکہ انسانی تعلقات اور معاشرتی
 زندگی کی بہتری اور خوشگوازی اس میں ہے کہ لوگ باہم فیاضانہ برتاؤ کریں۔

لے جس عورت سے صحبت نہ کی گئی ہو۔

مہر کی معافی عورت کے اختیار میں ہے

إِلَّا أَنْ تَعْفُونَ - (البقرہ ۲۳۷)

”مگر یہ کہ عورتیں زمی برتیں۔“

مہر چونکہ عورت کا حق ہے، اس لئے یہ اسی وقت معاف ہو سکتا ہے جب عورت

خود معاف کر دے۔ معاف کیا ہوا مہر مزے سے استعمال کرو۔

معاف کر وہ مہر تمہارا مال ہے

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هِنِيئًا مَّرِيئًا

(النساء ۴)

”اور اگر عورتیں اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے تم مزے سے (بے کھٹکے)

کھا سکتے ہو۔“

عورت کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا مہر شوہر کو معاف کر دے

چاہے کچھ حصہ معاف کرے یا سب کا سب۔ عورت کی معافی کے بعد یہ مال شوہر کا

ہے۔ وہ جس طرح چاہے اس کو بے کھٹکے اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔

وہی مہر معاف ہے جو دل کی خوشی سے معاف کیا گیا ہو

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ

مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هِنِيئًا مَّرِيئًا (النساء ۴)

”اور عورتوں کے مہر خوشدلی سے ادا کرو۔ البتہ وہ اپنی خوشی سے مہر

میں سے کچھ معاف کر دیں تو اسے مزے سے کھاؤ۔“

مہر کی معافی کا تمام تر اختیار عورت ہی کو حاصل ہے۔ اس لئے اگر وہ معاف

کردے تو معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآن کے یہ الفاظ ”فَإِنْ طَبِنَ لَكُمْ دَعْوَىٰ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا“ (اگر عورتیں دل کی خوشی سے کچھ حصہ معاف کریں) بتاتے ہیں کہ اس میں عورت کی خوشنودی کا پورا پورا لحاظ کرنا ہوگا۔ گھر کی فضا کو ایسا نہ بنایا جائے کہ کسی باؤ اور لالچ سے مجبور ہو کر عورت مہر معاف کر دے، اور درحقیقت وہ مہر چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اسی لئے حضرت عمرؓ اور قاضی شریح رحمہما کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کو مہر کا کچھ حصہ یا پورا مہر معاف کر دیا ہو اور بعد میں پھر وہ اس کا مطالبہ کرے، تو شوہر کو مہر ادا کرنا ہوگا، اور شوہر کو اس کے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس کا یہ مطالبہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے خوش دلی سے معاف نہیں کیا تھا، بلکہ کسی بے جا دباؤ یا کسی اور وجہ سے معاف کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

مہر مقرر نہ کیا ہو تو کچھ دے کر رخصت کرو

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ
تَفْرِضُو لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِمِ قَدَارًا وَعَلَى
الْبُقْطِ قَدَارًا مَّتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ - (البقرہ ۲۳۶)

یہ اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے اور ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو، تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں اس صورت میں ان کو کچھ نہ کچھ ضرور دو۔ خوش حال آدمی اپنے مقدر کے مطابق اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقہ پر دے۔

یہ حکم اس عورت کا ہے جس کو شوہر نے ہاتھ نہ لگایا ہو۔ رہی وہ عورت جس سے شوہر نے تعلق زن و شوہر قائم کر لیا ہو تو اس عورت کو اس کے خاندان کی دوسری اس جیسی

لڑکیوں کے برابر مہر دیا جائے گا۔

مہر میں عورت کا حق نہ نازو

وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذَهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ۔

(النساء ۱۹)

”اور انہیں تنگ کر کے دیئے ہوئے مہر کا کچھ حصہ اڑانے کی

کوشش نہ کرو۔“

۲۳۱۵۶۹۶

زوجین کے خوشگوار تعلقات

قرآن حکیم نے زوجین کے تعلقات کو اجتماعی زندگی کے لئے بنیادی اہمیت دی ہے اور انہیں خوشگوار رکھنے کی پرزور تاکید کی ہے۔ اور یہ ہدایت دی ہے کہ ان تعلقات کو رحمت و مودت، عدل و انصاف اور ایثار و فیاضی کے ساتھ مستحکم رکھنے اور خوشگوار بنانے کی کوشش کی جائے۔ یہ کوشش سپہم جاری رہنی چاہیے۔ اور آخر دم تک اس میں کوتاہی نہ ہونی چاہیے کیونکہ انہی تعلقات کی خوشگواری پر معاشرے کے استحکام، سدھار، پاکیزگی، اور ترقی کا دار و مدار ہے۔ عائلی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے قرآن حکیم نے جو احکام دیئے ہیں، ان سے زیادہ عادلانہ اور مبنی بر حقیقت احکام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان قوانین و احکام کا مصنف وہ عظیم و خیر خدا ہے جو عورت و مرد دونوں کی طبیعت، فطرت، صلاحیت اور کمزوریوں کے بارے میں محض قیاس و انداز سے کام لے کر کوئی حکم نہیں دیتا ہے، بلکہ اس کے ہر قانون اور اس کے ہر حکم کی بنیاد وسیع ترین حقیقی علم پر ہے۔ دونوں منقوں کے حقوق کا تحفظ اور دونوں کے درمیان انصاف انہی احکام کی پیروی میں ممکن ہے۔

زوجین کے حقوق مساوی ہیں

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط (البقرہ ۱۷۳)

”مردوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں

کے حقوق ان پر ہیں۔

یعنی خدائے تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں پر اپنی اپنی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق حقوق عائد کئے ہیں۔ اگر عورت کو اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا ہے تو مرد کو مہربانی اور عفو و درگزر سے کام لینے اور عورت کی ضروریات فراہم کرنے کا ذمہ اقرار دیا ہے۔ باہمی حقوق کے لحاظ سے دونوں کی حیثیت یکساں ہے، اور دونوں ان کو ادا کرنے کے یکساں ذمہ دار ہیں۔ حقوق کی نوعیت ضرور جدا جدا ہے لیکن اس کا تعلق، ان کی فطری صلاحیت اور طبعی رُحجان سے ہے۔

مرد کو کچھ برتری ہے

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرہ ۱۴۳)

”اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔“

جہاں تک زوجین کے باہمی حقوق کا تعلق ہے قرآن حکیم نے دونوں کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا ہے۔ دونوں کے حقوق مساوی رکھے ہیں، اور خاندان کے ادارے میں دونوں کے وجود کو یکساں حیثیت اور اہمیت دی ہے۔ البتہ ہر نظم کو درست رکھنے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ کوئی سردھرا اور آخری ذمہ دار ہو، اور اس کی رائے، مشورہ، منتہا اور صوابدید کے مطابق وہ نظم قائم رہے۔ اور متعلقہ نتائج پیدا کرے۔ اسلئے عائلی زندگی میں قرآن نے مرد کو کچھ برتری دی، اور اس کو آخر ذمہ دار قرار دیا ہے۔

خانگی زندگی میں مرد کی حیثیت

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ - (النساء ۳۴)

”مرد عورتوں کے سردھرے اور نگران ہیں۔“

مرد کو قرآن نے قوام قرار دیا ہے، جس کا ترجمہ سردھرا اور نگران کیا گیا ہے۔ دراصل قوام اس شخص کو کہتے ہیں جو کچھ افراد یا ادارے یا کسی نظم کو ٹھیک ٹھیک چلانے اور درست رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ خانگی زندگی بھی ایک منظم ادارہ ہے، اور اس کا بھی ایک اہم نظم ہے جس کے استحکام پر پورے معاشرے کی تعمیر موقوف ہے۔ اس نظم کو چلانے اور درست رکھنے کی ذمہ داری مرد پر ہوتی ہے، وہی گھر کا سردھرا اور نگران ہوتا ہے۔ اسی معنی میں اس کو قوام کہا گیا ہے۔

مرد کی برتری کے وجوہ

بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ

أَمْوَالِهِمْ - (النساء ۳۴)

”اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور

اس لئے بھی کہ مرد اپنا (مخنت سے کمایا ہوا) مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔“

خانگی زندگی میں مرد کو عورت پر جو فضیلت بخشی گئی ہے، اور اس کو قوام اور

نگراں قرار دیا گیا ہے، اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ فطری ہے اور ایک

اخلاقی۔

۱۔ چونکہ عائلی نظم کو درست رکھنے اور نتیجہ خیز بنانے کی آخری ذمہ داری طبعی

قوتوں اور فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے مرد پر ہے، اس لئے اس کو یہ فضیلت بخشی گئی ہے کہ خانگی معاملات میں اس کی رائے سب پر غالب ہو، اور گھر کے تمام کام اس کی منشا، حکم اور مشورے کے تحت انجام پائیں، اور صنفِ مقابل اس کی برتری کو تسلیم کر کے اس کے مشورے کے تحت سرگرم رہ کر اس کے ساتھ تعاون کرے۔

۲۔ زندگی کا دار و مدار مال پر ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے مال کو قیام کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ قیام یا قوام کسی چیز کی بنیاد یا اساس کو کہتے ہیں۔ زندگی کو یہ بنیاد اور اساس فراہم کرنے والا چونکہ مرد ہے، وہی محنت اور کوشش سے مال کماتا ہے، اور پھر خوشی خوشی گھر والوں پر خرچ کرتا ہے اس لئے بھی اس کو یہ فضیلت بخشی گئی ہے۔ اور عورت کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے عائلی زندگی کو کامیاب اور مفید بنانے کی کوشش کرے۔

مگر مرد کی یہ فضیلت صرف گھریلو معاملات کو درست رکھنے اور خانگی زندگی کو نتیجہ بخش بنانے کے لئے ہے، اور اسی دنیا کی حد تک ہے۔ رہا آخرت میں فضیلت کا مسئلہ، تو وہاں مرد کو محض اس بنا پر ہرگز کوئی فضیلت نہ ہوگی کہ اس کو گھر کا قوام بنایا گیا تھا، وہاں فضیلت کا تمام تر انحصار اس بات پر ہوگا کہ کس نے اپنے متعلقہ فرائض خدا کی منشا کے مطابق پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ انجام دیئے، اور محض خدا کی خوشنودی کو پیش نظر رکھ کر انسانیت کا ثبوت دیا۔

شوہر کے فرائض

خانگی زندگی کے نظم کو درست رکھنے اور مستحکم بنانے کے لئے مرد اور عورت دونوں ہی کے کچھ منصفی فرائض ہیں۔ اور گھریلو زندگی اسی وقت خوشگوار اور نمونہ رحمت بن سکتی ہے جب شوہر اور بیوی دونوں اپنی اپنی ذمہ داریوں کا حقیقی احساس اور شعور پیدا کریں، اور اپنے اپنے فطری دائرے میں رہتے ہوئے پورے خلوص، دلسوزی اور مستعدی سے اپنی اپنی ذمہ داریاں انجام دیں۔ اور اگر کسی ایک نے بھی اپنے فرائض میں کوتاہی دکھائی تو خاندانی نظم بکھر جائیگا۔ اور گھریلو زندگی انتشار اور کشاکش کی نذر ہو جائے گی۔ پہلے ہم شوہر کے فرائض بیان کرتے ہیں۔

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو

وَعَاثِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ - (النساء ۱۹)

”اور عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کی زندگی گزارو۔“

یہ بڑا جامع جملہ ہے۔ نیک سلوک کے اس حکم میں وہ تمام ہی باتیں شامل ہیں جو خانگی زندگی کی خوشگوار اور نمونہ بہنت بنانے کے لئے ضروری ہیں۔

یاہمی مصالحت کی کوشش کرو

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ - (النساء ۱۲۸)

”یاہمی مصالحت خیر ہی خیر ہے۔“

زوجین کی عمر بھری اس رفاقت میں بار بار ایسے مواقع آتے ہیں کہ

دونوں کو ایک دوسرے سے شکایتیں پیدا ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ ان شکایتوں کا ایک نتیجہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں میں علیحدگی ہو جائے، اور خدا کے نام پر جڑا ہو یا یہ مبارک رشتہ ٹوٹ جائے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ دونوں اپنی طبیعتوں پر قابو پائیں، اپنے قانونی حق پر اڑنے اور اپنی بات کی پیروی کرنے کے بجائے، فیاضی، درگزر اور ایثار سے کام لیں اور نکاح کے پختہ عہد کو زندگی بھر تباہی کی کوشش کریں۔ قرآن کے نزدیک یہی روش مطلوب ہے، اور زوجین میں مصالحت ہی بہر حال بہتر ہے۔

تخل اور خوش گمانی سے کام لو

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُنَّ وَهِيَ كَرَاهِيَةٌ وَيَجْعَلُ

اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا - (النساء ۱۹)

”پھر اگر وہ تمہیں (کسی وجہ سے) ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک

چیز تمہیں پسند نہ ہو، مگر اللہ نے اس میں (تمہارے لئے) بہت کچھ بھلائی

رکھ دی ہو۔“

اگر عورت کی بعض عادتیں ناپسند ہوں، یا وہ خوبصورت نہ ہو.....

یا اس میں کوئی اور کمزوری اور نقص ہو تو مرد کو چاہیے کہ صبر و تحمل سے کام لے،

درگزر کی روش اختیار کرے، اور بہر حال عورت کے ساتھ نباہ کرنے کی کوشش

کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے واسطے سے مرد کو کچھ ایسی

بھلائیاں پہنچانے کا ارادہ کر لیا ہو جن تک مرد کی نگاہ نہ پہنچ رہی ہو۔ مثلاً

اس عورت کی ذات سے کوئی ایسی روح سعید و جود میں آنے والی ہو جس کی بھلائیوں

سے ایک دنیا فائدہ اٹھائے۔ اور اس کا اجر اس مرد کو بھی ہمیشہ ملتا رہے۔
 یا یہ عورت مرد کی اصلاح حال کا ذریعہ بنے اور اسے جنت سے قریب کرنے میں
 مددگار ثابت ہو، یا اس عورت کی قسمت سے دنیا میں مرد کو خوشحالی نصیب ہو۔
 بہر حال کسی ظاہری عیب سے برداشتہ خاطر ہو کر ازدواجی تعلق کو ہرگز برباد نہ
 کیا جائے، بلکہ اس کو خوشگوااری کے ساتھ قائم رکھنے کے لئے صبر و تحمل اور درگزر
 سے کام لیا جائے۔

عفو و کرم کی روش رکھو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمِنَ أَوْلَادِكُمْ
 عَدُوٌّ لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِن تَعَفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا
 فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (التغابن ۱۴)

»مومنو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں سو ان سے
 بچتے رہو، اور اگر تم عفو و کرم، درگزر اور رحم پوشی سے کام لو، تو یقین رکھو کہ
 اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور بہت ہی مہربان ہے۔“

بعض اوقات دینی تقاضوں کو پورا کرنے اور دین کی راہ میں آگے بڑھنے
 میں بعض بیویاں زبردست رکاوٹ بنتی ہیں، اور آدمی کے لئے اپنی آخرت بچا
 لے جانا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات آدمی خود بھی اپنی کمزوری
 کی بنا پر ان کی بے جا محبت میں پھنس کر اور ان کی ہر جائز اور ناجائز خواہش کی تکمیل
 میں لگ کر اپنے دین و ایمان اور آخرت کے تقاضوں سے بہت دور جا پڑتا ہے۔
 انہی وجوہ سے خدا نے بعض بیویوں کو دشمن قرار دیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے

کہ سب ہی بیویاں اور بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ایسی بیویاں بھی تو ہوتی ہیں جو شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی ہیں اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔

مرد مومن کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ بیوی بچوں سے بیزار ہو اور جھلا کر ان سے رحم و کرم کی نگاہیں پھیر لے اور ان سے یکسر الگ ہو رہنے کی سوچنے لگے۔ صحیح روش یہ ہے کہ آدمی ان کی کوتاہیوں، نادانیوں اور سرکشوں سے چشم پوشی کرے، صبر سے ان کو برداشت کرے، درگزر سے کام لے، اور صبر و سکون اور سوز و رحمت کے ساتھ انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کرے۔ مرد مومن کی یہ روش خدا کی رحمت کو کھینچتی ہے اور اس کی بخشش و کرم کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔

بیوی کے فرائض

ازدواجی زندگی کو پرسکون اور خوشگوار بنانے کے لئے جس طرح شوہر کے کچھ فرائض ہیں اسی طرح بیوی کے بھی کچھ فرائض ہیں۔ اور یہ مبارک رشتہ اسی وقت باعثِ رحمت و برکت بن سکتا ہے جب دونوں باہمی مصالحت، تعاون، اشتراکِ عمل اور ہم آہنگی سے اس کو کامیاب بنانے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ شوہر کے فرائض کے بعد اب بیوی کے فرائض بیان کئے جاتے ہیں۔

اپنا رویہ درست رکھے

”پس جو نیک روش رکھنے والی عورتیں ہیں“

فَالصَّالِحَاتُ۔

خاندان کا استحکام، بچوں کی اچھی تربیت اور گھریلو زندگی کی برکتوں کا انحصار بڑی حد تک اس بات پر ہے کہ ازدواجی زندگی میں عورت کا رویہ درست رہے۔ لیکن عورت کے نیک رویے کا تمام تر حاصل محض یہ ذہنی فوائد ہی نہیں ہیں اگر وہ خدا کا حکم سمجھ کر اپنے رویے کو درست رکھتی ہے تو اس کا ہر عمل خدا کی نظر میں عبادت ہوگا۔ اور وہ آخرت میں بھی بے پایاں اجر و انعام کی مستحق قرار پائے گی۔

وَ لَا جُرَ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ
اطاعت گزار رہے
قَابِلٌ۔

”وہ مرد کی اطاعت شعار ہوتی ہیں۔“

گھر کے نظم کو درست رکھنے کے لئے شوہر کی فطری قوا میت کو سامنے رکھنا اور خوشدلی سے اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر عورت اس بات کو بھی پیش نظر رکھے کہ یہ خدا اور رسول کا حکم ہے، اور اس کی تعمیل کرنے والیوں کو خدا کی خوشنودی اور جنت کی بشارت دی گئی ہے، تو ان کی اطاعت گزار ہی محض گھر کے نظم کو درست رکھنے ہی کا ذریعہ نہ رہے گی، بلکہ گھر کی چہار دیواری میں رہتے ہوئے ان کا جو قدم بھی اٹھے گا وہ ان کو جنت سے قریب کرے گا، اور وہ شوہر کی خوشنودی میں خدا کی خوشنودی کو پائے گی۔

امانتوں کی حفاظت کرے

حَفِظْتُ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ۔ (النساء، ۲۴)

اور وہ مردوں کے پیچھے اللہ کی نگرانی میں ان کے حقوق اور امانتوں کی

حفاظت کرتی ہیں۔“

حقوق اور امانتوں کی حفاظت میں وہ ساری ہی چیزیں شامل ہیں جو عورت کے پاس بطور امانت ہوتی ہیں، اور جن کی حفاظت کی شوہر عورت سے بجا طور پر توقع رکھتا ہے۔ مال و اسباب کی حفاظت، عصمت و آبرو کی حفاظت شوہر کے رازوں کی حفاظت، قول و قرار کی حفاظت۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حقائق کی تفصیل کے ساتھ وصاحت فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تم اُسے دیکھو تو تمہارا جی خوش ہو جائے۔ جب تم اُسے کسی بات کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے۔ اور جب تم گھر میں نہ ہو تو وہ تمہارے پیچھے تمہارے مال اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے“ اور آپ نے فرمایا: ”عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے، اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور شوہر کی اطاعت کرے تو جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے“ اور تافرمان عورتوں کو آپ نے یہ وعید بھی سنائی ہے: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا جو شوہر کی ناشکر گزار ہوگی۔ حالانکہ وہ کسی وقت بھی اپنے شوہر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی“

ازدواجی تعلق کو صبر کے ساتھ نباہے

وَإِنْ أَمْرًا فَخَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا

جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ط۔

(النساء ۱۲۸)

”اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بدسلوکی کا اندیشہ

ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر میاں بیوی آپس میں کسی قرارداد پر مصالحت کر لیں۔

اور مصالحت بہر حال بہتر ہے ۛ

عمر بھر کی ازدواجی رفاقت میں بار بار عورت کو شوہر کی جانب سے بدسلوکی اور بے رنجی کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اس کا ایک رد عمل تو یہ ہو سکتا ہے کہ عورت ہمیشہ کی علیحدگی اور جدائی کا ارادہ کر لے۔ لیکن اسلام کی نظر میں یہ ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ بہترین روش یہ ہے کہ میاں اور بیوی دونوں اپنی طبیعتوں پر قابو پانے کی کوشش کریں اور حقوق کی کمی بیشی پر آپس میں مصالحت کریں، اور عورت ایک بار پھر خود کو آمادہ کرے کہ وہ زندگی بھر..... اس شوہر کے ساتھ نباہ کرے گی جس کے ساتھ زندگی کا ایک حصہ گزار چکی ہے۔

اصلاح حال میں معاشرہ کی ذمہ داری

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَ
حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنْ
اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا (النساء ۳۵)

”اور اگر تم کو میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے خاندان میں سے اور ایک حکم عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ وہ دونوں (یعنی زوجین اور ثالث) اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت کی صورت پیدا فرمادے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور (ہر چیز کے) بانبر ہے ۛ

ازدواجی تعلق دراصل انسانی تمدن کی بڑ ہے۔ زوجین کے تعلقات کی درستی

پر پورے انسانی تمدن کی درستی کا مدار ہے۔ اسلام کے نزدیک اس تعلق کی درستی اور مضبوطی سب سے بڑی نیکی ہے اور اس تعلق کو توڑنے کی کوشش سب سے بڑی بڑائی اور فساد ہے۔ حدیث میں ہے کہ "ابلیس لعین روزانہ اپنے شیطانی مرکز سے زمین کے مختلف گوشوں میں اپنے کارکن روانہ کرتا ہے، پھر وہ کارکن واپس آکر اپنی اپنی کار گزار یوں کی رپورٹ سنا تے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں فساد برپا کیا۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں فتنہ کھڑا کیا۔ مگر ابلیس ہر ایک سے یہ کہتا جاتا ہے کہ تم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ایک کارکن آکر اطلاع دیتا ہے کہ میں فلاں مرد اور عورت میں جدائی ڈال آیا ہوں تو ابلیس خوش ہو کر اُسے گلے لگا لیتا ہے، اور کہتا ہے، ہاں تو نے واقعی کام کیا ہے۔"

درحقیقت وہ شخص انتہائی مفسد اور بدترین مجرم ہے جو اس پاکیزہ تعلق کو توڑتا ہے، کیونکہ اس تعلق کی استواری پر پوری انسانی سوسائٹی کی سلامتی اور قیام کا انحصار ہے۔

قرآن حکیم نے زوجین کو اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دینے کی تاکید کرتے ہوئے پورے معاشرہ کو بھی ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ وہ بھی زوجین کے تعلقات کو استوار رکھنے اور ان میں باہمی مصالحت و موافقت قائم رکھنے کی پوری پوری کوشش کرے اور اپنے دباؤ اور اثر سے فریقین کو مصالحت اور نباہ پر آمادہ کرنے میں پورا زور لگائے۔

طلاق

طلاق انسانی سوسائٹی کی ایک ضرورت ہے۔ بعض اوقات تمام اخلاقی تعلیمات اور تدبیروں اور کوششوں کے باوجود بھی زوجین میں نباہ، موافقت، یکجہتی اور موانست نہیں ہو پاتی، اور اگر ازدواجی تعلق کو برقرار رکھا جائے تو مختلف قسم کے اخلاقی و معاشرتی مفاسد پیدا ہونے کے یقینی اندیشے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی حالات میں قرآن نے طلاق کی اجازت دی ہے۔

طلاق دینے کی اجازت ہے

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ۔ (البقرہ ۲۳۶)

”تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اگر تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو۔“

اسلام نے نکاح کو ہر قیمت پر برقرار رکھنے کی تاکید ضرور کی ہے۔ لیکن اگر

اس کا قیام زوجین کے حق میں ہر پہلو سے سراسر نقصان ہی کا موجب ہو تو پھر

جدائی کی بھی اجازت دی ہے۔ اسلامی تہذیب نے خواہ مخواہ انسان کو تنگی میں

مبتلا نہیں کیا ہے۔ البتہ طلاق کی اجازت سے فائدہ اسی وقت اٹھایا جائے

جب اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ ہو، کیونکہ اللہ کے نزدیک حلال چیزوں

میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہی ہے۔

طلاق آخری چارہ کار ہے

وَعَاثِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ

تَكَرُّهُوَ شَيْئًا وَيَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ط (النساء ۱۹)

”اور ان کے ساتھ اچھے سلوک کی زندگی گزارو۔ اگر وہ تمہیں کسی

وجہ سے ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو، مگر

اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لئے) بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔“

اگر شوہر کو کسی وجہ سے بیوی پسند نہ آئے۔ خوبصورت نہ ہو، یا اس میں

کوئی اور نقص ہو تو اسے چاہیے کہ صبر و تحمل سے کام لے، فوراً دل برداشتہ ہو

کر اس کو چھوڑنے کی نہ سوچے۔ ازدواجی تعلق وہ اہم اور بنیادی رشتہ ہے جس

پر پورے انسانی سماج کا مدار ہے۔ اس تعلق کو توڑنے میں جلد بازی سے کام

لینا کسی طرح مناسب نہیں۔

اسلام نے طلاق کی اجازت ضرور دی ہے لیکن یہ بالکل آخری چارہ کار

ہے جو ناگزیر حالات ہی میں استعمال کرنا چاہیے۔ جب واقعی زوجین میں نباہ اور

مصالحت کے تمام امکانات ختم ہو چکے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”نکاح کرو اور طلاق نہ دو۔ اللہ تعالیٰ ایسے مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں

کرتا جو طرح طرح کے مزے چکھتے پھریں۔“

زوجین میں مصالحت کیلئے ثالثی کا طریقہ

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ

وَ حَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا (النساء ۳۵)

”اور اگر تمہیں زوجین کے تعلقات بگڑ جانے کا ڈر ہو، تو ایک حکم مرد

کے خاندان میں سے اور ایک حکم عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر
 کر دو۔ اگر یہ دونوں (یعنی زوجین اور حکم) اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ
 تعالیٰ ان کے درمیان موافقت کی کوئی صورت پیدا فرمادے گا۔ اللہ کو سب
 کچھ معلوم ہے، اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

اگر زوجین کے تعلقات بگڑ جائیں تو اس سے پہلے کہ معاملہ کوئی سنگین صورت
 اختیار کرے، اور جدائی تک نوبت پہنچے، یا معاملہ عدالت میں جائے معاشرہ
 کے بزرگوں کو چاہیے کہ وہ گھر کے گھر ہی میں اصلاح کی کوشش کر لیں اور اس
 کا طریقہ یہ ہے کہ ایک نیک سیرت اور مصنف مزاج شخص مرد کے خاندان
 سے منتخب کیا جائے اور ایک عورت کے خاندان سے، اور ان دونوں کے
 سپردیہ معاملہ کر دیا جائے۔ پھر یہ دونوں سر جوڑ کر بیٹھیں اور اسباب اختلاف
 کی منصفانہ تحقیقات کر کے باہمی مصالحت کی کوئی صورت نکالیں، اگر یہ لوگ
 اپنی کوششوں میں مخلص ہوں گے اور زوجین بھی خدا ترسی کے ساتھ اختلافات
 کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا، اور ان کے درمیان
 موافقت کی کوئی شکل پیدا فرمادے گا۔

علیحدگی ہو جائے تو دونوں اللہ پر بھروسہ رکھیں

وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كِلَيْهِمَا مَعْتَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا

حکیمتہاہ (النساء ۱۳۰)

» (اگر زوجین میں نباہ ہو ہی نہ سکے، اور دونوں ایک دوسرے سے
 الگ ہی ہو جائیں تو خدا اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت

اور محتاجی سے بے نیاز کر دے گا۔ اللہ کا دامن رحمت بہت وسیع ہے،

اور وہ دانا و بینا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر زوجین میں کسی طرح مفاہمت ممکن ہی نہ ہو، اور یہ نوبت آجائے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ ہی ہونا پڑے تو دونوں خدا سے مایوس نہ ہوں، اس پر بھروسہ رکھیں۔ وہ مرد کے لئے بھی اپنی وسیع رحمت سے انتظام فرمادے گا، اور عورت کو بھی سہارا بخشنے گا۔ وہ بڑا دانا و بینا ہے۔ ہر ایک کی ضرورتوں سے خوب واقف ہے، اور کوئی بات اس کی وسعت سے باہر نہیں۔

طلاق کیسے دی جائے؟

اسلام کے نزدیک طلاق رُوئے زمین کی تمام جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے۔ اس لئے زوجین کی انتہائی کوشش یہی ہوتی چاہیے کہ اس کی نوبت نہ آئے۔ لیکن اگر تمام نیک ارادوں اور کوششوں کے باوجود حالات طلاق ہی کا تقاضا کریں تو پھر طلاق دینے میں ان حدود کا پورا پورا لحاظ ہونا چاہیے جو اس ضمن میں قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔

طلاق ظہر میں دی جائے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ۔

(الطلاق ۲۸)

”اے نبی! (مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ) جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو ایسے وقت طلاق دو کہ وہ پوری مدت عدت شمار کر سکیں“ (یعنی

پاکی کی حالت میں طلاق دو۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ سخت برہم ہوئے اور حضرت عبداللہ کو رجعت کا حکم دیا اور فرمایا اگر طلاق دینا ہی ہے تو حیض ختم ہونے کے بعد ظہر کی حالت میں دو۔ ایسے ہی موقع کی ہدایت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

ظہر کا زمانہ عورت کی صحت کا زمانہ ہے۔ اس حالت میں عورت اپنی روش اور مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ سکتی ہے اور صحیح صحیح رائے قائم کرنے کے لئے اُسے پورا پورا موقع حاصل رہے گا۔ پھر اس دوران مرد و عورت کا وہ تعلق بھی قائم رہتا ہے جو باہمی انس اور قربت کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

طلاق کی حد

الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ طَقَا مَسَاكٌ اِبْعُرُوهُنَّ اَوْ تَسْرِيحٌ

يَا حُسَيْنُ - (البقرہ ۲۲۹)

”طلاق (کاسحق) دو مرتبہ ہے۔ پھر یا تو بھلے طریقے سے (عورت کو)

روک لیا جائے یا شریفانہ طور پر اُسے رخصت کر دیا جائے“

معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں قانون طلاق کی یہ دفعات بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو طلاق کا اختیار ضرور دیا ہے، لیکن اس کی حد متعین ہے۔ عرب جاہلیت میں طلاق کی کوئی حد نہ تھی۔ شوہر اگر بیوی سے بگڑ جاتا تو اس کو بار بار طلاق پر طلاق دیتا رہتا اور رجوع کرتا رہتا۔ بیچاری عورت عمر بھر مصیبت میں گرفتار رہتی۔ نہ تو اس شوہر کے ساتھ سکون کی زندگی

بسر کر پاتی، اور نہ اس سے آزاد ہو کر کسی دوسرے سے نکاح ہی کر سکتی۔
قرآن نے طلاق کی حد مقرر کر کے عورت پر اس ظلم کا دروازہ بند کر دیا۔

قرآن کی رُو سے ایک مرد اپنی بیوی کو صرف دو بار طلاق رجعی دینے کا حق رکھتا ہے۔ دو بار طلاق دینے کے بعد جب کبھی بھی تیسری بار طلاق دے گا عورت مستقل طور پر اس سے اس طرح جدا ہو جائے گی کہ نہ پھر اس سے رجوع ہی ممکن ہوگا اور نہ حلالے کے بغیر نکاح ہی ممکن ہوگا۔

شریعت اسلامی کی رُو سے طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ طہر کی حالت میں صرف ایک طلاق رجعی دی جائے۔ پھر اگر دوسری طلاق دینے کا ارادہ ہو تو اس کے لئے دوسرے طہر کا انتظار کیا جائے۔ ورنہ بہتر تو یہی ہے کہ ایک ہی طلاق پر اکتفا کیا جائے اور عدت گزارنے دی جائے۔ اس دوران مرد جب بھی چاہے عورت سے رجوع کر سکتا ہے۔

دو طلاقیں دینے کی صورت میں جب عدت گزار جائے تو پھر یا تو مرد اس سے دوبارہ نکاح کر لے یا پھر انتہائی شریفانہ طریقے پر اس کو رخصت کر دے۔
طلاق رجعی میں رجوع

فَاِمْسَاكُ اِبْنِعَمْرُوْنَ اَوْ تَسْرِحُ اَبَا حَسَانٍ ط (البقرہ ۲۲۹)

” (طلاق رجعی کے بعد) یا تو اچھے طریقے پر روک رکھو یا بھلے طور پر

چھوڑ دو۔“

۱۔ سلالہ کی شکل آگے بیان کی گئی ہے۔

طلاق رجعی سے مراد وہ طلاق ہے جو صبریح لفظ طلاق سے دی گئی ہو۔ اس کی حد دو ہے۔ اور اس میں عدت کے دوران مرد حبیب بھی چاہے رجوع کر سکتا ہے۔

شوہر کو رجعت کا حق ہے۔

وَلْيَعُولُوا لَهُمْ أَحَقُّ بِرَدِّهِمْ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ط -

(البقرہ ۲۲۸)

”اور ان کے شوہر اگر تعلقات درست کرنے پر آمادہ ہوں تو وہ اس عدت کے دوران میں (مطلقہ) عورتوں کو پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔“

رجعت کو ایذا رسانی کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ
أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِلتَّعْتُدِ وَلَا
مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ط وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ
هُزُورًا - (البقرہ ۲۳۱)

”اور جب تم عورتوں کو (دوبارہ) طلاق دے چکو، اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو یا تو انہیں اچھے طریقے سے اپنے نکاح میں روک لو، یا شالیتہ طریقے سے انہیں رخصت کر دو۔ محض ستانے کی غرض سے انہیں نہ روکے رکھو کہ یہ زیادتی ہے۔ اور جو ایسا کرے گا وہ درحقیقت اپنے ہی اوپر ظلم کرے گا۔ اللہ کی آیات کا کھیل نہ بناؤ۔“

طلاق کے بعد رجعت اسی نیت سے ہونی چاہیے کہ اب بیوی کو حسن سلوک کے ساتھ رکھنا ہے، اور اس کے ساتھ موافقت اور محبت کی زندگی گزارنا ہے۔ طلاق دینے کے بعد محض اس نیت سے رجوع کرنا کہ بیوی کو ستانے اور دق کرنے کا موقع ہاتھ آجائے۔ ایک مسلمان کے لئے کسی طرح مناسب نہیں۔ یہ اللہ کے احکام کے ساتھ کھیل ہے اور الہی قانون کی منشا کا خون کرنا ہے۔

علیحدگی کی صورت میں شریفانہ رویہ اختیار کرو

اَوْ سَرَّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (البقرہ ۲۳۱)

”یا شریفانہ طریقے پر انہیں رخصت کرو“

اَوْ تَسْرِيحًا بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا

اَتَيْتُوهُنَّ شَيْئًا۔ (البقرہ ۲۲۹)

”یا اچھے سلوک کے ساتھ انہیں رخصت کر دو۔ اور رخصت کرتے ہوئے

ایسا کرنا تمہارے لئے ہرگز جائز نہیں کہ دیئے ہوئے مال میں سے ان سے

کچھ واپس لو“

یعنی دو طلاق کے بعد اگر بیوی کو بالکل علیحدہ کرنے ہی کا ارادہ کر لیا ہو، تب

بھی غم و غصہ میں شریفانہ طریقے اور حسن سلوک کو بھول نہ جاؤ۔ اگر وہ اب تمہاری

بیوی نہیں ہے تو کیا ہو؟ انسان تو ہے؟ اور پھر عرصہ تک تمہارے ساتھ زندگی

گزار چکی ہے۔ جو کچھ تم اُسے دے چکے ہو اُس کا واپس لینا تو تمہارے لئے جائز ہی

نہیں ہے۔ تمہارا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ کچھ اور دے دلا کر عزت و سلوک کے ساتھ

اُسے رخصت کرو۔

تین طلاق کے بعد طبعی علیحدگی

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَتَّكِفَ فَرْجًا غَيْرَ كَافٍ

(البقرہ ۲۳۰)

”پس اگر (دو بار طلاق دینے کے بعد) عورت کو (تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔ الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے ہو۔“

دو طلاق تک تو مرد کو اختیار ہے کہ وہ عدت کے دوران رجوع کر لے اور عدت کے بعد نکاح کر لے۔ لیکن عدت گزرنے کے بعد طبعی انقطاع ہو جاتا ہے نہ اب رجوع ہو سکتا ہے اور نہ نکاح۔ نکاح کی صورت ایک ہی شکل ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح کرے، اور پھر اپنی خوشی سے طلاق دیدے۔ اب عدت گزرنے کے بعد پہلا شوہر نکاح کر سکتا ہے۔ اس صورت کو شریعت میں ”خلالہ“ کہتے ہیں۔

خلالہ کے بعد نکاح میں کوئی ہرج نہیں

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا

حُدُودَ اللَّهِ - (البقرہ ۲۳۰)

”پس اگر یہ دوسرا شوہر اسے طلاق دے دے، اور پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدودِ الہی پر قائم رہیں گے تو ان کے لئے باہم رجوع کر لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔“

اس حدیث کی تفسیر یہ بات بھی ضروری ہے کہ دوسرا شوہر ہم بستری کے بعد طلاق دے۔ اگر ہم بستری کئے بغیر طلاق دے دی تب بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔

یعنی نکاح کے بعد اگر دوسرا شوہر اس عورت کو طلاق دے دے تو عدت گزرنے پر پہلا شوہر باطمینان اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ البتہ یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ اپنی مطلقہ کو اپنے لئے حلال کرنے کی غرض سے سازش کے طور پر کوئی شخص اس کا نکاح دوسرے سے کر لے اور اس سے یہ وعدہ لے لے کہ وہ نکاح کے بعد لازماً عورت کو طلاق دے دے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے سے حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

مدت ایلا گزرنے پر طلاق ہو جائیگی

لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَاءُوا
فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِن عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ۝ (البقرہ ۲۲۶)

”جو لوگ اپنی بیویوں سے مخصوص تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں، ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر وہ (اس مدت میں) رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، مہربان ہے اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

اگر مرد عورت سے تعلق زن و شوہر نہ رکھنے کی قسم کھالے تو اس کو شرعی اصطلاح میں ”ایلا“ کہتے ہیں، اور اس کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے۔

اس مدت میں اگر شوہر نے رجوع نہ کیا، تو مدت پوری ہونے پر طلاق

واقع ہو جائے گی۔ اور اگر رجوع کر لیا تو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

خُلْعٌ

فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ط (البقرہ ۲۲۹)

”پس اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ (نکاح کو باقی رکھتے ہوئے) نزدیکی اللہ

کے حدود پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں کوئی

ہرج نہیں ہے کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔“

عورت اگر کچھ دے دلا کر اپنے شوہر سے آزادی حاصل کر لے تو شریعت کی

اصطلاح میں اس کو خلع کہتے ہیں۔

اسلام نے جس طرح مرد کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر کسی عورت سے واقعی نباہ

کی کوئی شکل ممکن نہ ہو تو وہ اسے طلاق دے دے۔ اسی طرح عورت کو بھی یہ

اختیار دیا ہے کہ اگر وہ فی الواقع شوہر سے مایوس ہو چکی ہو اور نباہ کا اب کوئی

اسکان نہ ہو تو وہ کچھ معاوضہ دے کر طلاق لے سکتی ہے۔ اس صورت میں جو

طلاق ہوگی وہ رجعی نہیں بلکہ بائن ہے۔ چونکہ عورت نے معاوضہ دے کر اس

طلاق کو خریدنا ہے اس لئے اب شوہر کو دوران عدت اس طلاق سے رجوع کا حق

اس طلاق مدت گزرنے پر خود بہ خود واقع ہو جائیگی یا عدالت شوہر سے مطالبہ کرے گی کہ وہ طلاق دے ،

پھر یہ طلاق رجعی ہوگی یا بائن۔ یہ تمام تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔

باقی نہیں رہتا۔ البتہ اگر یہی مرد و عورت پھر ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں اور دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کرنا ان کے لئے بالکل جائز ہوگا۔

خلع کے معاملہ میں اگر عورت اور مرد کے درمیان گھری گھری کوئی بات طے ہو جائے، تو جو کچھ طے ہوا ہو وہی نافذ ہوگا۔ لیکن اگر معاملہ عدالت تک پہنچ جائے تو عدالت صرف اس بات کی تحقیق کرے گی کہ آیا فی الواقع یہ عورت اپنے مرد سے اس حد تک متنفر ہو چکی ہے کہ اب اس سے نباہ ممکن ہی نہیں۔ اس بارے میں اطمینان ہو جانے کے بعد حالات کے لحاظ سے عدالت جو فیرو تجویز کرے گی اس فیرو کو قبول کر کے شوہر کو طلاق دینا ہوگی۔

خلع کے معاوضہ کے سلسلہ میں علمائے دین نے بالعموم اس بات کو پسند نہیں کیا ہے کہ شوہر جو مال (مہر) بیوی کو دے چکا ہے اس سے زیادہ عورت سے مرد کو کچھ دلوا یا جائے۔

ظہار

”ظہار“ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ قدیم زمانے میں اہل عرب بیوی سے ناچاقی کی حالت میں کبھی یہ کہنے بیٹھتے تھے۔ ”اِنَّتِ عَلٰی كَظْفَرٍ اَتَمِّی“ (تو میرے لئے میری ماں کی پٹی جیسی ہے)۔ اور یہ بات جب کسی کے منہ سے نکل جاتی تھی تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اب یہ عورت اس پر حرام ہو گئی ہے، کیونکہ وہ اس کو اپنی ماں جیسا کہہ چکا ہے۔ اصلاح معاشرت کے ذیل میں قرآن نے ان غلط خیالات کی بھی اصلاح فرمائی اور بتایا کہ بیوی کو ماں کہنے یا ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتی۔ ماں تو بس وہی ہے جس سے آدمی پیدا ہوا ہے۔ محض زبانی

سے کسی کو ماں کہہ دینے سے حقیقت نہیں بدل جایا کرتی۔ کہ جو بیوی تھی اب وہ محض تمہاری تشبیہ کے اثر سے ماں بن جائے۔

ظہار سے بیوی ماں نہیں بن جاتی

وَمَا جَعَلَ أَرْوَاجَكُمْ أَلْفًا تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ۔ (الاحزاب)

”اور خدا نے تم لوگوں کی ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماں

نہیں بنا دیا ہے۔“

ظہار سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ

إِنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِلَّا الْآلِيَٰ وَكَذٰلِكَ نَبَيُّنَا۔ (المجادلہ ۲)

”جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (ظہار سے) وہ ان

کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جن کے پیٹ سے انہوں

نے جنم لیا ہے۔“

مطلب یہ ہے، بیوی کو ماں کہنے یا ماں کی بیٹی کے تشبیہ دینے سے بیوی کی

حقیقت نہیں بدل جاتی۔ بیوی تو بہر حال بیوی ہی ہے۔ ظہار سے اس کے نکاح

پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ یہ ایک نامعقول اور ناپسندیدہ بات ہے اس لئے

اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی سے مخصوص تعلقات

رکھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

ظہار ایک نامعقول بات ہے۔

وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا۔ (المجادلہ ۲)

”اور حقیقت یہ ہے کہ یہ (ظہار کرنے والے) لوگ بڑی نامعقول اور

جھوٹی بات منہ سے نکالتے ہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ظہار سے بیوی کے نکاح پر اثر تو نہیں پڑتا لیکن تمہیں ایسی نامعقول اور جھوٹی بات کہنے کی ضرورت کیا ہے؟
ظہار کا کفارہ

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَاءِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا
فَتَحْرِيرُ سَرَقَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَّ سَأْذَ لَكُمْ تَوْعُظُونَ بِهِ ط
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ فَ مَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مَتَّابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَّ سَأْذَ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فِاطْعَامُ
سِتِّينَ مِسْكِينًا ط (المجادلہ ۳، ۴)

”اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں اور پھر اپنے قول سے رجوع کریں تو ضروری ہے کہ ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں۔ یہ تم لوگوں کو نصیحت کی جا رہی ہے، اور خدا خوب واقف ہے تمہارے اعمال سے۔ پھر جس کو غلام میسر نہ ہو تو وہ ہم بستر ہونے سے پہلے دو مہینے کے متواتر روزے رکھے۔ پھر جو یہ بھی نہ کر سکے تو ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلائے۔“

لِغَان

قرآن حکیم انسدادِ فواحش کے ذیل میں اس بات سے بھی انتہائی سختی کے ساتھ روکتا ہے کہ کوئی فحش باتوں کو پھیلائے، اور بے حیائی کے چرچے کرتا پھرے کیونکہ

یہ تذکرے اور چرچے فواجش کے پھیلنے کا موجب بنتے ہیں، انسانی ذہن کو پر اگندہ کرتے ہیں، اور شہوانی جذبات کو بھڑکانے کا سبب بنتے ہیں اسلامی سوسائٹی میں اگر اسن لوگوں پر تہمت لگانے کو سخت ترین جرم قرار دیا گیا ہے۔ اگر کوئی مرد یا عورت نسلی پاکدامن پر بدکاری کی تہمت لگاوے تو اس کو چار گواہ ثبوت میں پیش کرنا ہون گے، جبکہ دوسرے تمام معاملات میں صرف دو گواہ کافی قرار دیئے گئے ہیں۔ اور اگر وہ چار گواہ ثبوت میں پیش نہ کر سکے تو اس پر حد قذف جاری کی جائے گی۔ یعنی اس کو اسی کوڑوں کی عبرتناک سزا دی جائے گی، اور پھر کبھی اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔

AMIR KHAN

انسانی اخلاق کی حفاظت اور انسداد فواجش کے ان سخت احکام کے بعد کون جبراً کر سکتا تھا کہ کسی پر تہمت لگائے یا کسی کے بارے میں کسی بدگمانی کا اظہار کرے؟ لیکن ان احکام سے لوگوں میں ایک اور سوال پیدا ہو گیا کہ غیر مرد اور غیر عورت کی بدچلنی اور بدکاری دیکھ کر تو خیر آدمی صبر کر سکتا ہے، گواہ موجود نہ ہوں تو خاموش رہ کر معاملہ کو نظر انداز کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ اپنی بیوی کو کسی کے ساتھ ملوث دیکھ لے تو کیا کرے؟ کیا یوں ہی عمر بھر خون کے گھونٹ پیتا رہے؟ اگر قتل کرتا ہے تو الٹا مستوجب سزا ہوتا ہے، گواہ ڈھونڈنے نکلے تو اس کے آنے تک مجرم کب ٹھہرا رہے گا؟ اور صبر کرے تو آخر کیسے کرے؟ بیوی کو طلاق دے کر علیحدہ تو کر سکتا ہے، مگر نہ تو عورت کو کسی قسم کی مادی اور اخلاقی سزا ملی نہ اس کے آشنا کو۔ اور اگر عورت کو ناجائز حمل ٹھہر گیا تو خیر کا بچہ الگ گلے پڑا۔ ابتدا میں تو یہ سوال فرضی طور پر اٹھایا گیا لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد عملاً ایسے کئی مقدمات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت

میں پیش ہوئے جس میں شوہروں نے اپنی بیویوں کو بچشم خود ملوث دیکھا تھا۔
اس موقع پر خدا نے مسلمانوں کی مشکل آسان کرنے اور ایسی بدکار بیویوں سے
علیحدہ ہونے کے لئے جو طریقہ تجویز فرمایا اسلامی قانون کی اصطلاح میں اس کا نام
”لعان“ ہے۔

لعان کا طریقہ

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا
أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ
الصَّادِقِينَ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ
الْكَاذِبِينَ (النور ۷۶)

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود انکے
اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت
(یہ ہے کہ) وہ چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ تہمت لگانے میں
واقعی سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر خدا کی لعنت ہو، اگر وہ تہمت لگانے
میں جھوٹا ہو۔“

بیوی پر بدکاری کا الزام لگانے والے کے پاس اگر گواہ نہ ہوں، تو اسلامی
عدالت شوہر کو پانچ مرتبہ قسمیں کھلائے گی۔ پہلے چار مرتبہ وہ کہے گا ”خدا کی قسم
میں اپنے الزام میں سچا ہوں۔“ اور پانچویں مرتبہ کہے ”اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر
خدا کی لعنت ہو۔ اس طرح پانچ قسمیں کھانے سے بیوی پر زنا کی سزا واجب ہو
جائے گی۔ زنا کی سزا سے وہ اس طرح بچ سکے گی کہ وہ بھی پانچ مرتبہ قسمیں کھا کر اپنی

برارت کرے۔

قسمیں کھانے کے دوران دونوں کو بار بار یہ تلقین کرنی چاہیے کہ تم جھوٹ بول کر دنیا کی رسوائی اور سزا سے بچ سکتے ہو لیکن خدا کی سزا اور آخرت کی رسوائی سے نہیں بچ سکتے۔ اور آخرت کا عذاب اور رسوائی انتہائی شدید اور عبرتناک ہے۔ عورت اپنی برارت کے لئے اس طرح قسم کھائے گی۔

وَيَذَرُوعَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَا أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ
إِنَّهُ لَكِنِ الْكَذِبِينَ ۝ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ
مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ (النور ۸، ۹)

”اور عورت سے (زنا کی) سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ (پہلے) چار بار خدا کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ آدمی (الزام لگانے میں) جھوٹا ہے۔ اور پانچویں بار (یوں) کہے کہ اس بندی پر خدا کا غضب ٹوٹے، اگر وہ (تہمت لگانے میں) سچا ہو۔“

اسلامی عدالت میں زوجین اس طرح قسمیں کھانے کے بعد ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ اور پھر کبھی ان دونوں کا باہم نکاح نہ ہو سکیگا یہ

۱۵ لعان کی تفصیلات سمجھنے کیلئے حدیث و فقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

عَدَّت

شریعت نے عورت کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر اس کو طلاق دے دی جائے یا اس کا شوہر مر جائے تو وہ کچھ دنوں تک اپنے آپ کو روکے رکھنے۔ اس مدت انتظار کو اصطلاح میں عدت کہا جاتا ہے۔

عدت کے کئی اہم شرعی مقاصد ہیں۔ ایک اہم مقصد تو یہ ہے کہ اگر شوہر نے کسی وقتی غصے سے متاثر ہو کر یہ اقدام کیا ہے تو اس مدت میں اس کو سوچنے کا موقع مل جائے اور وہ اپنے فعل پر نادم ہو کر رجوع کر لے کیونکہ شریعت اسلامی کا منشا یہ ہے کہ جن دو افراد میں ایک بار ازدواجی تعلق قائم ہو جائے وہ عمر بھر تک اپنی تمام خوشگوار یوں کے ساتھ قائم رہے یہی وجہ ہے کہ عدت کی پوری مدت میں شوہر کو یہ اختیار حاصل رہتا ہے کہ وہ جب بھی چاہے اپنی مطلقہ بیوی سے بغیر نکاح کئے پھر زوجیت کے تعلقات قائم کر لے۔ الا یہ کہ عورت کو تین طلاقیں دے کر مرد اپنا یہ حق خود ہی کھو بیٹھے۔

دوسرا اہم اخلاقی مقصد یہ ہے کہ عورت اپنے بچھڑے ہوئے رفیق حیات کی جدائی کا غم اور سوگ منائے، اور اگر اس کی طرف سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو وہ اپنی روش میں تبدیلی کر کے شوہر کو پھر رجعت پر آمادہ کر لے۔

تیسرا مقصد یہ ہے کہ اس مدت میں اس بات کا بھی اطمینان ہو جائے کہ عورت حاملہ ہے یا غیر حاملہ، تاکہ اولاد کا نسب مستحکم نہ ہو، کیونکہ ثبوت

نسب پر اولاد کے اخلاقی مرتبہ کا بھی انحصار ہے، اور حق وراثت کا بھی۔
 ایک چوتھا اہم مقصد یہ بتانا بھی ہے کہ نکاح و طلاق محض ایک معاشرتی معاملہ
 ہی نہیں ہے بلکہ ایک دینی اور شرعی معاملہ بھی ہے۔ شوہر اور اولاد کے حقوق کی
 حفاظت، ایک شرعی فریضہ ہے۔ اور عدت شریعت اسلامی کا عائد کردہ ایک حق
 ہے۔ اس لئے اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو یہ پروا نہ بھی لکھ دے کہ میرے مرنے
 کے بعد یا مجھ سے طلاق لینے کے بعد عورت پر میری طرف سے کوئی عدت نہیں
 ہے۔ تب بھی شریعت اسلامی اس حق کو کسی طرح ساقط نہ کرے گی۔
 عورت کے حالات کے لحاظ سے عدت کی بھی مختلف مدتیں اور نوعیتیں
 ہیں۔ بعض عدتوں میں تو یہ تمام مقاصد بیک وقت پائے جاتے ہیں اور بعض میں
 ان میں سے کچھ پائے جاتے ہیں۔

عدت کے احکام

عدت کی مدت

وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرہ ۲۲۸)

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین قروء تک اپنے آپ کو روکے

رکھیں۔

امام ابو حنیفہ ج کے نزدیک قروء سے مراد حیض ہیں۔ اور امام شافعی ج اس سے

ایام ظہر مراد لیتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں عام طور پر تقریباً تین ماہ کی مدت

ہوتی ہے۔

۱۔ بانڈی کی مدت عدت نصف ہے جس میں آنے کی صورت میں دو مرتبہ یا ایک ماہ جاری ہے اور جس نے آنے کی صورت میں دو مرتبہ یا ایک ماہ کی مدت ہے۔

غیر حائضہ کی مدت عدت

وَالَّتِي يُلْسِنُ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَاءِ كُمُرَانِ إِذْ تَبْتَغُونَ قَعْدَاتِهِنَّ
ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ وَالَّتِي كَمْ يَحِضُنَّ - (الطلاق ۲۸)

”اور وہ عورتیں جو (بڑھاپے کی وجہ سے) حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں،
اگر تم کو ان کی عدت کے تعین میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور
اسی طرح ان عورتوں کی مدت عدت بھی تین مہینے ہے، جن کو (کم عمری کی وجہ
سے) حیض نہیں آتا۔“

حاملہ کی عدت

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ - (الطلاق ۲۸)

”اور حمل والی عورتوں کی مدت عدت یہ ہے کہ بچے کی ولادت ہو جائے۔“

بیوہ کی عدت

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ

بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا - (البقرة ۲۳۴)

”اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں ان کے پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں

تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔“

یہ حکم اس بیوہ کا بھی ہے جس سے شوہر نے مباشرت کی ہو اور اس بیوہ کا بھی ہے

جس کو شوہر نے ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور مر گیا ہو۔

حاملہ اپنے پیٹ کا راز نہ چھپائے

وَلَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ تَكْتُمَنَّ مَا خَلَقَ اللَّهُ رِزْقًا رَحِيمًا

إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ - (البقرة ۲۲۸)

”اور (طلاق یافتہ عورتوں کے لئے) یہ جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ خلق فرمایا ہے اس کو چھپائیں۔ انہیں ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتی ہیں۔“

اگر کوئی عورت اپنے حمل کو اس لئے چھپائے کہ وضع حمل میں ابھی زیادہ مدت باقی ہے اور وہ ایام ماہواری سے اپنی عدت شمار کر کے جلد فارغ ہونا چاہتی ہے تو یہ سخت گناہ بھی ہے اور اس طرح عدت بھی پوری نہ ہوگی۔ حاملہ کو چاہے طلاق دی گئی ہو یا اس کا شوہر مر گیا ہو ماہر صورت اس کی عدت وضع حمل ہی ہے۔ اور وضع حمل تک اسے رکتنا ہی پڑے گا۔

خلوت سے محروم عورت کی عدت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ

مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا

فَبِتَعُوهُنَّ وَسَرَخُوهُنَّ سَرَاحًا جَبِيلًا - (الاحزاب ۴۹)

”اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں مسامحہ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں جس کے پورا کرنے کا تم مطالبہ کر سکو لہذا انہیں کچھ مال دو اور پہلے طریقے سے رخصت کر دو۔“

ہاتھ لگانے سے مراد مباشرت ہے۔ مباشرت کئے بغیر ہی اگر طلاق دے

دی گئی ہے تو اب مرد کو رجوع کا حق نہیں ہے۔ طلاق کے بعد عورت جس سے

چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ مگر یہ صرف اس عورت کا حکم ہے جس کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی ہو۔ اور اگر مباشرت سے پہلے عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کو وہی چار مہینے اور دس دن کی پوری عدت گزارنی ہوگی۔

عدت کے ایام گنتے رہو

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ

وَاحْصُوا الْعِدَّةَ ط (الطلاق ۱)

”اے نبی! (مسلمانوں سے کہہ دیجیے) کہ جب تم اپنی عورتوں کو طلاق

دو تو زمانہ عدت سے پہلے طلاق دو، اور عدت کے دن گنتے رہو۔“

”عدت کے دن گنتے رہو۔“ اس حکم میں اگرچہ مذکر کا صبیحہ استعمال کیا گیا ہے

لیکن خطاب مرد و عورت دونوں سے ہے۔ البتہ اس میں یہ اشارہ ضرور ہے کہ

چونکہ عورت بھول اور غفلت میں زیادہ مبتلا ہوتی ہے۔ اس لئے ایام عدت کے

شمار کا مرد خصوصی اہتمام کریں۔

مطلقہ کے ساتھ سلوک

مطلقہ عورتوں سے اگرچہ ایک حد تک شوہر کا تعلق ختم ہو جاتا ہے، لیکن

اسلام نے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید کی ہے، اور عظیم تر مصلحتوں کی

بنا پر ان کے بھی کچھ حقوق رکھے ہیں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کیسا انسانی

نواز، اخلاق پسند اور عادلانہ نظام حیات ہے، اور انسانی سوسائٹی کے لئے

سایہ رحمت ہے۔

عدت تک گھر میں رکھو

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ - (الطلاق ۶)

”تم اپنی مطلقہ عورتوں کو عدت گزارنے کے لئے اپنی وسعت کے مطابق

مکان دو جہاں تم رہتے ہو۔“

دورانِ عدت ان کو گھر سے نہ نکالو

وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ أَيْدِيهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ -

(الطلاق ۱)

”اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ نہ تو تم ان مطلقہ عورتوں کو گھروں

سے نکالو، اور نہ وہ خود ہی اپنے گھروں سے نکلیں۔“

عدت میں ایذا نہ پہنچاؤ

وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لِيُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ - (الطلاق ۶)

”اور (عدت کے دوران) ان کو تنگ کرنے کے لئے ایذا نہ پہنچاؤ۔“

بے حیائی کریں تو نکال دو

إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ - (الطلاق ۱)

”ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کرنے لگیں (تو دوسری بات ہے)۔“

کھلی بے حیائی سے مراد زنا کاری، چوری، زباں درازی اور لڑنا جھگڑنا وغیرہ

ہے۔

گھر سے رخصت کرتے وقت رخصتانہ دو

وَالْمُطَلَّاتُ مَتَاعٌ ۱۲ بِالْمَعْرُوفِ مَحَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۵ (البقرہ ۲۳۱)

”اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو ان کو معروف دستور کے مطابق

کچھ دیا جائے۔ یہ متقیوں پر لازم ہے۔“

مطلقہ حاملہ کا خرچ برداشت کرو

وَإِنْ كُنَّ أَوْلَاتٍ حَمْلًا فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔

(الطلاق ۶)

”اور اگر (یہ مطلقہ) عورتیں حمل والی ہوں تو بچہ ہونے تک ان کا خرچ دیتے

رہو۔“

دودھ پلانے کا معاوضہ عرو

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ۔ (الطلاق ۶)

”پھر اگر وہ تمہارے کہنے سے بچے کو دودھ پلائیں تو ان کو اس کا معاوضہ

دو۔“

عدت کے بعد انہیں نکاح سے نرو کو

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ

بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (البقرہ ۲۱۴)

”پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے، تو انہیں پورا اختیار ہے کہ اپنی

ذات کے معاملہ میں جو فیصلہ چاہیں کریں، تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔“

یعنی عدت گزرنے کے بعد عورت کو پوری آزادی ہے جہاں چاہے اپنا نکاح

کرے۔ کسی کو ان کی یہ آزادی سلب کرنے کا حق نہیں، اور نہ ان کے فعل کی ذمہ داری

کسی پر ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ
يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ
بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ كَمَا أَذَكُّ لَكُمْ
وَأَطْرَفَهُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (البقرہ ۲۳۲)

”اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو، اور وہ اپنی عدت پوری
کر لیں تو پھر اس میں رکاوٹ نہ ڈالو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح
کر لیں، جب کہ وہ معروف دستور کے مطابق آپس میں نکاح کرنے پر رضامند
ہو جائیں۔ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا، اگر تم اللہ اور یوم
آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ تمہارے لئے رظاہر و باطن، ہر لحاظ سے، شایستہ
اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو۔ اللہ خوب جانتا
ہے، اور تم نہیں جانتے۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دی اور عدت
کے دوران رجوع نہ کیا۔ پھر جب عدت گزر گئی تو یہ دونوں آپس میں دوبارہ نکاح
کرنے کے خواہشمند ہیں تو عورت کے رشتہ داروں کو ہرگز اس نکاح میں رکاوٹ نہ
ڈالنی چاہیے۔ نیز اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق دی گئی اور
اس کی عدت گزر گئی۔ اب وہ عورت اپنے پہلے شوہر سے آزاد ہو کر کسی اور جگہ اپنا
نکاح کرنا چاہتی ہے۔ تو اس کے سابق شوہر کو یہ گھٹیا حرکت ہرگز نہ کرنی چاہیے
کہ اس کے نکاح میں رکاوٹ ڈالے اور یہ ناروا کوشش کرے کہ جس عورت کو اس

نے چھوڑا ہے اس کو کوئی دوسرا بھی اپنے نکاح میں قبول نہ کرے۔

دیا ہوا مال ان سے واپس نہ لو

وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا۔ (البقرہ ۲۲۹)

”اور (مطلقہ عورتوں کو) خصمت کرتے ہوئے تمہارے لئے جائز نہیں ہے

کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔“

مطلقہ بیویوں کو جو مہر، زیور، کپڑے اور مال وغیرہ ان کے شوہر دے چکے

ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی ان کو واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

اسلام نے جن اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی تعلیم دی ہے اس کی رو سے تو یہ بات

ویسے بھی انتہائی مکروہ ہے کہ ایک شخص جو چیز کسی کو ہبہ کر چکا ہے یا تحفہ میں دے

چکا ہے اس کو پھر واپس لے۔ حدیث میں اس ذلیل حرکت کو کتے کے اس فعل سے

تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی ہی تھے کو خود چاٹ لے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ ایک

شوہر کے لئے تو یہ بات انتہائی شرمناک ہے کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو خصمت کرتے

وقت اس سے وہ سب کچھ رکھوا لینا چاہے، جو اس نے خود ہی کبھی اسے دیا تھا۔

اس کے برعکس اسلام کی ہدایت تو یہ ہے کہ مطلقہ عورتوں کو کچھ اور دے دلا کر شرفیابانہ

سلوک کے ساتھ خصمت کر۔ یہ وہ عورتیں ہیں جو ایک عرصہ تک تمہارے ساتھ

رفاقت کی زندگیاں گزار چکی ہیں۔

ہبہ کے ساتھ سلوک

جن عورتوں کے شوہر مر چکے ہوں اور وہ بے کسی کی زندگیاں گزار رہی ہوں

انسانی معاشرہ میں یہ سب سے زیادہ رحم و سلوک کی مستحق ہیں۔ مختلف اقدار میں ہمیشہ انسانی معاشرہ نے ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا ہے، اور انہیں نہایت ذلت کے ساتھ انسانی حقوق سے محروم کیا ہے۔ قرآن نے ان کے حقوق کی بھی حفاظت کی ہے اور عادلانہ ہدایات کے ساتھ انہیں سوسائٹی میں عزت بخشی ہے۔

بیوہ کو اپنی میراث نہ سمجھو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا

(النساء، ۱۹)

”اے مومنو! تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم زبردستی (بیوہ) عورتوں

کو اپنی میراث بنا لو“

مطلب یہ ہے جب کسی عورت کا شوہر مر جائے تو شوہر کے خاندان والے عورت کو میراث سمجھ کر اس کے ولی وارث نہ بن بیٹھیں۔ جب اس کا شوہر مر گیا تو وہ پوری طرح آزاد ہے، جہاں چاہے اور جس سے چاہے اپنا نکاح کرے، کسی کو یہ حق نہیں کہ اس پر اپنا اختیار چلائے، یا اس کے زیر تجویز نکاح میں رکاوٹ ڈالے۔
ان کا مال ہتھیانے کی کوشش نہ کرو

وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَّا آتَيْتَهُنَّ - (النساء، ۱۹)

”اور نہ تمہارے لئے یہ بات جائز ہے کہ انہیں تنگ کر کے ان کا وہ

مال ہتھیانے کی کوشش کرو، جو تم انہیں دے چکے ہو“

مطلب یہ ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد تو یہ بے کس اور زیادہ رحم و سلوک کی مستحق ہو گئی ہے، نہ یہ کہ شوہر نے اپنی زندگی میں جو فہر اور مال اس کو دیا تھا،

تم انسانی کو ہتھیانے کی ذلیل حرکت کرنے لگو۔
بیوہ کا نکاح کر دو۔

وَأَشْكِرُوا لِلْآيَاتِ الَّتِي مِنْكُمْ - (النور ۳۲)

”اور تم میں جو عورتیں بیوہ ہوں ان کے نکاح کر دو۔“

ایک بے سہارا بیوہ کے ساتھ سب سے بڑا سلوک یہ ہے کہ اس کے لئے صالح جوڑا تلاش کر کے اس کو حصارِ نکاح میں محفوظ کر دیا جائے۔ کیوں کہ ایک عورت کا حقیقی ننگراں، محافظ اور معاون ایک صالح شوہر ہی ہو سکتا ہے۔

رضاعت

رضاعت کا مطلب دودھ پلانا ہے۔ اگر سوائے اتفاق سے زوجین ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں خواہ طلاق کے ذریعے سے یا خلع کے ذریعے سے، اور عورت کی گود میں دودھ پیتا بچہ ہو تو اس کی رضاعت کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن نے اس مسئلہ کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ

أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ - (البقرہ ۲۳۳)

”اور جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت دودھ پیئے“

تو ماؤں کو چاہیے کہ کامل دو سال تک دودھ پلائیں۔“

یہ حکم اس صورت میں بھی ہوگا جب شوہر نے طلاق دے دی ہو، اور اس صورت

میں بھی ہوگا جب شوہر مر چکا ہو۔

دو سال سے پہلے دودھ چھڑایا جاسکتا ہے

فَإِنْ أَرَادَ إِفْصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا.

(البقرہ ۲۳۳)

» اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو سال سے

پہلے) دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں «

رضاعت کے معاملہ میں فریقین کو باہم موافقت کی تاکید

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاتُّوهُنَّ أَجُورَهُنَّ وَامْتَسِرُوا بَيْنَكُمْ

بِمَعْرُوفٍ فَإِنْ تَعَاوَرْتُمْ فَسَرِّضِي لَهَا أُخْرَى۔ (الطلاق)

» پھر اگر وہ (مطلقہ) عورتیں تمہارے کہنے سے تمہارے بچے کو دودھ

پلائیں تو ان کو اس کا معاوضہ دو۔ اور (بچے کی رضاعت کے معاملے میں)

پسندیدہ طریقے پر باہم موافقت رکھو۔ اور اگر تم باہم ضد اور نا اتفاق

کرنے لگو (اور ماں انکار کر دے) تو باپ کے کہنے سے کوئی اور عورت دودھ

پلائے گی «

مطلب یہ ہے کہ آپس کی ضد اور کشاکش میں بچے کی زندگی خراب نہ کرو۔

بچہ تو دونوں کی اولاد ہے، اور دونوں کی محبت کا مرکز۔ دونوں کو سہا سہی کر اس کے

معاملہ میں اچھا طریقہ اختیار کریں اور باہمی موافقت کے ساتھ اس کی پرورش کا اچھا

انتظام کریں۔ ماں کو یہ سوچنا چاہیے کہ اگر میں دودھ پلانے سے انکار کروں گی تو

اس کا اثر کس پر پڑے گا۔ باپ تو کسی اور عورت کا انتظام بہر حال کرے گا۔ لیکن

میرے بچے کو میرا دودھ نہ مل سکے گا۔ باپ کو یہ سوچنا چاہیے کہ مجھے بہر حال اس کے دودھ پلانے کا معاوضہ دینا ہی ہے تو پھر میں اس کو اس کی گود میں کیوں نہ ڈالوں جو ہر وقت اس پر شفقت و محبت کی نگاہ ڈالے۔

دایہ سے دودھ پلویا جاسکتا ہے۔

وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَّيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ط (البقرہ ۲۳۳)

”اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہو تو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں، بشرطیکہ اس سے کچھ معاوضہ طے کر لو، اور وہ معروف طریقے پر ادا کر دو۔“

یعنی اگر ماں دودھ نہ پلانا چاہے تو معاوضہ دے کر کسی اور عورت سے بھی دودھ پلویا جاسکتا ہے۔

دودھ پلانے والی کا روٹی کپڑا باپ کے ذمہ ہے

وَعَلَى الْوَالِدِ رِشْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط۔

(البقرہ ۲۳۳)

”اور دودھ پلانے والیوں کا روٹی کپڑا معروف طریقے کے مطابق بچے

کے باپ کے ذمہ ہے۔“

باپ نہ ہو تو بچے کا ولی ذمہ دار ہوگا

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ ط (البقرہ ۲۳۳)

”دودھ پلانے کا یہ حق جس طرح بچے کے باپ پر ہے ویسا ہی اس کے

دارت پر بھی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر باپ کا انتقال ہو جائے تو اس کی جگہ بچہ کا جو ولی ہوگا اس کو یہ حق ادا کرنا ہوگا۔

فریقین ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے کی نہ ٹھائیں

لَا تُكَلِّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارُّ وَالِدًا وَلَا بَوْلِدًا هَا

وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ يَوْلِدُهَا - (البقرہ ۲۳۳)

دکھائی ہے کہ کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہیے نہ تو ماں کو اس

وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے، اور نہ باپ ہی کو اس وجہ

سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔

بچہ ماں اور باپ دونوں کا ہے، اس لئے بچہ کی وجہ سے فریقین کسی پر

بے جا دباؤ نہ ڈالیں، اور خواہ مخواہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی نہ ٹھائیں۔ اگر باپ تادار ہے، تو ماں کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ بچے کے

باپ سے اتنا معاوضہ لے جو اس کی وسعت اور مقدرت سے باہر ہو اور وہ خواہ

مخواہ بچہ کی وجہ سے پریشانی میں پڑے۔ اور اگر باپ مالدار ہے تو اس کا یہ فرض

ہے کہ وہ اپنی وسعت اور حیثیت کے مطابق دو دفعہ پلانے کا معاوضہ دے۔

اور کم سے کم معاوضہ دے کر بچے کی ماں کو پریشان نہ کرے، پھر فریقین کے

خاندان والوں کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ بچہ کی وجہ سے وہ ایک دوسرے

کو نقصان اور تکلیف نہ پہنچائیں۔

مُنہ بولنا بیٹا

مُنہ بولے بیٹے کو ”متبلیٹی“ کہتے ہیں۔ متبلیٹی کے بارے میں بھی عرب میں بہت سی غلط باتیں رائج تھیں۔ جاہلی معاشرہ میں منہ بولنا بیٹا اس شخص کا حقیقی بیٹا سمجھا جاتا جو اُس کو اپنا متبلیٹی بناتا، اسی کی طرف اس کی نسبت کی جاتی، اور معاشرتی زندگی میں اُس کو وہی حیثیت حاصل ہوتی جو حقیقی بیٹے کی ہوتی ہے۔ اور اس کو حقیقی بیٹوں ہی جیسے حقوق دیے جاتے، اور انہی جیسا سلوک بھی کیا جاتا۔ قرآن حکیم نے معاشرتی اصلاح کے ذیل میں ان تمام غلط خیالات کی تردید فرمائی اور معاشرے میں منہ بولے بیٹے کی صحیح حیثیت اور واقعی مقام متعین فرمایا۔

مُنہ بولے بیٹے کی حیثیت

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ

يَا قَوْمِ أَهْكُمْ (الاحزاب ۴)

”اور خدا نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا

ہے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم اپنے منہ سے نکال دیتے ہو“

مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی کو اپنا بیٹا کہہ دو تو محض تمہارے کہنے سے

وہ تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا، اس لئے معاشرتی زندگی میں نہ اس کا وہ مقام

ہے جو حقیقی بیٹوں کا ہوتا ہے، اور نہ اس کے وہ حقوق ہی ہیں جو حقیقی بیٹوں کے

ہوتے ہیں۔

ان کی نسبت حقیقی باپ کی طرف کی جائے

ادْعُوهُمْ لِابَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ - (الاحزاب ۵)

”مذہبوں کے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی نسبت سے پکارو۔ خدا کے

نزدیک یہ بات زیادہ منصفانہ ہے۔“

حضرت زید بن ابیہاشم کو لوگ زید بن حارثہ کہنے کے بجائے زید بن محمد کہتے تھے۔ اس حکم کے آجانے کے بعد سب سے پہلے جو اصلاح نافذ کی گئی وہ یہ تھی کہ حضرت زید بن ابیہاشم کو زید بن محمد کہنے کے بجائے ان کے حقیقی باپ کی نسبت سے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا گیا۔ اور اس آیت کے نزول کے بعد یہ بات حرام قرار دے دی گئی کہ کوئی شخص اپنے حقیقی باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنا نسب منسوب کرے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا، اور وہ جانتا ہو کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے، اس پر جنت حرام ہے۔ اسی طرح کی اور احادیث بھی ہیں جن میں اس فعل کو سخت گناہ قرار دیا گیا ہے۔

متنبیٰ دینی بھائی ہے اگر اس کا باپ معلوم نہ ہو

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اَبَاءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ - (الاحزاب ۵)

”اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور

رفیق ہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تب بھی یہ جائز نہیں کہ خواہ مخواہ ان کا نسب کسی سے ملاؤ۔ اس صورت میں ان کو اپنا دینی بھائی اور رفیق

سمجھو۔

پیار میں بیٹا کہنے کا حکم

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ

قُلُوبُكُمْ - (الاحزاب ۵)

”اور جو بات تم نادانستہ کہہ بیٹھو، اس کے لئے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے،

ہاں اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔“

یعنی کسی کو پیار سے بیٹا کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر محض اخلاقاً

کسی کے لئے ماں، بیٹی، بہن، بھائی وغیرہ القاط استعمال کر لئے جائیں تو کوئی گناہ

نہیں ہے۔ لیکن دلی ارادے کے ساتھ کسی کو بیٹا یا بیٹی کہنا اور پھر اس کو واقعی وہی

حیثیت دے دینا جو ان رشتوں کی ہے اور اس کے لئے وہی حقوق سمجھنا جو ان رشتوں

کے ہیں اور ان کے ساتھ ویسے ہی تعلقات رکھنا جیسے ان رشتہ داروں کے ساتھ ہوتے

ہیں یہ یقیناً قابل اعتراض ہیں اور اس پر گرفت ہوگی۔

پہرہ

قرآن کے نزدیک انسان کی تمام تر اہمیت محض اس بنا پر ہے کہ وہ ایک اخلاقی وجود رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کا جوہر اخلاق و عصمت ہے۔ وہ اس کی حفاظت پر انتہائی زور دیتا ہے۔ اور ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ اس آگینے کو ٹھیس لگے۔

برائی کی قوتوں کو دبانے، شہوانی خواہشات کو قابو میں رکھنے، غلط رجحانات کو روکنے اور پاکیزہ جذبات کو پروان چڑھانے کے لئے اس نے جو روشن اصول اور مؤثر تدبیریں بتائی ہیں ان سے بہتر اصولوں اور تدبیروں کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ثبوت میں تاریخ کے صفحات سے وہ روشن دور پیش کیا جاسکتا ہے، جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اصولوں پر بنے ہوئے ایک ایسے معاشرے کی برکتوں سے مالا مال تھے، جو انسانیت کے لئے رحمت و سکون کا گہوارہ، احسان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے ایک مستحکم قلعہ تعمیر و ترقی کے لئے ایک آزاد اور حوصلہ افزا اصول اور خوشحالی و کامرانی کے لئے ایک ضمانت تھا۔

قرآن حکیم، خدائے عالم الغیب اور علیم بذات الصدور کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا یقین پیدا کر کے دل میں دو ایسے پہرہ دار بٹھا دیتا ہے جو ہر وقت انسان کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ نہ صرف گناہ کی وادیوں میں بھٹکنے سے روکتے ہیں، بلکہ اخلاق قاضیہ کی بلند یوں پر چڑھنے کے لئے برابر قوت بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ پھر

وہ ہر جوان مرد اور عورت کو نکاح کی تاکید کر کے تمام شہوانی جذبات اور ہیجانوں کے لئے ایک پاکیزہ مرکز فراہم کرتا ہے کہ یہ عظیم قوت سوسائٹی کی تعمیر و ترقی میں کام آئے۔ زنا اور بے عصمتی کو ایک بدترین اخلاقی، معاشرتی اور قانونی جرم قرار دیتا ہے، اور اس کے لئے انتہائی عبرتناک اور لرزہ خیز سزا تجویز کر کے اس دروازہ کو بند کرنا چاہتا ہے، جہاں سے ہلاکت خیز وبائیں انسانی تہذیب و تمدن پر حملہ آور ہو کر اسے تباہ و برباد کرتی ہیں۔

وہ مرد و عورت دونوں صنفوں کے لئے الگ الگ میدان عمل تجویز کرتا ہے، اور دونوں کے لئے ان کی قوت کار اور صلاحیتوں کے لحاظ سے الگ الگ وظائف اور فرائض قرار دیتا ہے، وہ دونوں کے آزادانہ اختلاط کو سختی کے ساتھ روکتا ہے، وہ پردہ کو فرض قرار دیتا ہے۔ اس کو ایمان و اسلام کا صریح تقاضا بتاتا ہے، اور اس کی اہمیت اور حکمت بتانے کے لئے انتہائی زور دار انداز بیان اختیار کرتا ہے۔ سورہ نور جس میں پردہ کے تکمیلی احکام بیان کئے گئے ہیں اس کی تمہید پر غور کیجئے، لفظ لفظ سے قوت و جلال اور عظمت و اہمیت ٹپکتی ہے۔

سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّعَلَّكُمْ

تَذَكَّرُونَ (النور ۱)

”یہ ایک سورہ ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور ہم نے اسے فرض کیا ہے، اور ہم نے اس میں کھلی کھلی ہدایتیں نازل کی ہیں، تاکہ تم لوگ اس سے سبق لو۔“

اس تمہید میں بار بار اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ یہ احکام اور ہدایتیں

”ہم نے“ نازل کی ہیں، یہ کسی انسانی فکر کی پیداوار نہیں ہیں۔ اب اگر تم خدا پر واقعی ایمان رکھتے ہو، اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو اپنا ضابطہ حیات مانتے ہو، تو تمہارے ایمان و اسلام کا کھلا تقاضا یہ ہے کہ اس حکم کو دل و جان سے مانو، اصلاح معاشرہ کے یہ قوانین اور پردے کے یہ احکام شخص مشرورے یا سفارشا نہیں ہیں کہ تمہارا جی چاہے تو مانو، جی نہ چاہے تو نہ مانو۔ بلکہ یہ تو انسانی تمدن کی بقا و ترقی اور صلاح و فلاح کے لئے وہ فرض اور قطعی احکام ہیں جن کا ماننا ہر مسلمان پر لازم ہے، اگر وہ واقعی مسلمان ہے، اور اس سے انکار وہی کر سکتا ہے جس میں قرآن سے انکار کی ناپاک جرأت ہو۔ پردہ اسلامی معاشرت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور اس کے بغیر ایک منظم خاندان، پاکیزہ معاشرہ اور ایک اعلیٰ تہذیب کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

پردہ کا مقصد

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ۔

ذَٰلِكُمْ أَطْفَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ۔ (الاحزاب ۵۳)

”اور جب تم ازواجِ مطہرات سے کچھ مانگو تو پردے کے پیچھے مانگو،

پردے کا یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کو برے خیالات سے پاک

رکھنے کے لئے انتہائی مناسب طریقہ ہے۔“

یہ آیت حجاب کہلاتی ہے، اس میں مسلمانوں کو پردہ کا حکم بھی دیا گیا ہے

اور پردہ کی حکمت اور مصلحت بھی سمجھائی گئی ہے۔

اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ بے روک ٹوک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

گھروں میں آتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات بہت شاق تھی کئی بار آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے یہاں کچھ بُرے قسم کے لوگ آتے جاتے ہیں، کاش آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دے دیتے۔ آخر کار یہ آیتیں نازل ہوئیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں محرم رشتہ داروں کے سوا دوسرے مرد داخل نہ ہوں (احزاب ۵۵) اور جس کو کبھی گھر کی خواتین سے کوئی کام ہو وہ پردے کے پیچھے سے بات کرے۔

اس حکم کے بعد مسلم خواتین گھروں میں باپردہ رہنے لگیں۔ تمام زنانہ مکانات میں پردے لٹکا دیئے گئے، اور محرم رشتہ داروں کے سوا دوسروں کا گھروں میں آنا جانا بند کر دیا گیا۔

پردہ کا یہ طریقہ جو مسلم معاشرہ میں رائج کیا گیا اس کی حکمت و مصلحت بتاتے ہوئے قرآن کہتا ہے: **ذَالِكُمْ اَظْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ** ”تمہارے اور ان عورتوں کے دلوں کی پاکی کے لئے یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے“ مطلب یہ ہے کہ خواتین کا گھروں میں باپردہ رہنا۔ مردوں سے رُو در رُو بات نہ کرنا، اور ان سے علیحدہ رہنا، وہ پسندیدہ طریقہ ہے جو دونوں کے دلوں کو ناپاک خیالات اور ناجائز صنفی جذبات سے پاک رکھے گا۔ خدائے علیم و حکیم کے اس صاف اور صریح حکم کے بعد جو لوگ عورت و مرد کی مخلوط تعلیم، مخلوط مجالس، آزادانہ میل جول اور بے باکانہ دید پر بیجا اصرار کرتے ہیں، اور ان کے نزدیک دونوں صنفوں کے آزادانہ اختلاط سے دلوں کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں آتا، وہ دراصل خدائے حکیم و حکمت کو جھٹلاتے

ہیں۔

دلوں کو پاک رکھنے، معاشرے کو صنفی آوارگی سے بچانے، اور اخلاق و عصمت کو محفوظ رکھنے کے لئے یقیناً وہی طریقہ مناسب ترین ہے جس کو قرآن نے مناسب ترین کہا ہے، اور اس کے خلاف سوچنا اپنے ایمان سے کھیلنا ہے۔

پکڑے کے احکام

گھر کی چار دیواری میں رہو

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ - (احزاب ۳۳)

”اپنے گھروں میں چین سے بیٹھی رہو۔“

عورت کا حقیقی دائرہ کار گھر کی چار دیواری ہے۔ گھر کی چار دیواری میں رہ کر ہی اُسے اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے منصبی فرائض انجام دینے چاہئیں۔ عام حالات میں اُسے گھر کی چار دیواری سے باہر نہ نکلنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عورت تو سراپا پردہ ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو اُسے شیطان گھورتا ہے، اور وہ خدا کی رحمت سے قریب تر اسی وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر میں ہو۔

قرآن کے اس صاف اور صریح حکم کے ہوتے کوئی مسلمان کیسے جرأت کر سکتا ہے کہ وہ عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر نکالے، اور اصرار کرے کہ عورتیں گھر سے باہر رہ کر سوشل کاموں اور پبلک سرگرمیوں میں حصہ لیں، کالجوں میں لڑکوں کے ساتھ مل جل کر تعلیم پائیں، اور کارخانوں، دفاتروں اور حکومت

کے ایوانوں میں مردوں کے دوش بدوش کام کریں۔

قرآنی احکام کے خلاف یہ بے جا عمارت صرف وہی کر سکتا ہے جو یا تو سرے سے خدا کی کتاب کا منکر ہے یا منافق جو قرآن کا نام لے کر اپنے تعیشتات کی عمارت تعمیر کرنے کے لئے ”قرآنی دین“ کی عمارت کو ڈھانے کی ناپاک کوشش کرتا ہے۔

چہرے کا پردہ ضروری ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَ تَدْعُوا جِهَنَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ
يُدْعَيْنَ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِهَا مُنَادِينَ ذَٰلِكَ أُذُنِي أَنْ يُّعْرَفَنِي
فَلَا يُؤْذِنُنِي ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (الاحزاب ۵۹)

”اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں کو بتا دیجئے کہ (باہر نکلیں تو) اپنے (چہروں) پر پلو لٹکا کر گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ اس طرح وہ آسانی کے ساتھ پہچان لی جایا کریں گی، اور ستانی نہ جائیں گی۔ اور خدا بڑا ہی پردہ پوش اور مہربان ہے۔“

عام حالات میں تو عورتوں کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ گھر کی چادر دیواری میں سکون کے ساتھ اپنے فطری دھندروں میں لگی رہیں۔ لیکن اگر کبھی کسی ضرورت سے باہر نکلتا ناگزیر ہی ہو تو اپنے چہرے اور جسم کو اچھی طرح چھپا کر نکلیں۔

عرب میں قاعدہ تھا کہ شریف زادیاں جب باہر نکلتیں تو ایک بڑی چادر اپنے اوپر لپیٹ لیتیں تاکہ پورا جسم اور اس کی ساخت اچھی طرح چھپ سکے اس چادر کو جلاباب کہا جاتا تھا۔ پنجاب اور فرنیٹیر کے دیہی علاقوں میں اب بھی اسی قسم کی چادروں کا عام

رواج ہے، اور اس کو "چھیل" کہا جاتا ہے یہ لحاف کے ابرے کی طرح موٹے کپڑے کی ایک بڑی چادر ہوتی ہے جس میں پورا جسم اچھی طرح چھپ جاتا ہے۔ ہمارے زمانہ کا برقعہ بھی اسی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے، اور برقعے کی نقاب سے بھی وہی مقصد پورا ہوتا ہے جس کے لئے چہروں پر پلو کا ایک حصہ لٹکانے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کا منشا یہ ہے کہ شریف عورتیں جب گھر سے نکلیں تو اپنی حفاظت کا پوری طرح اہتمام کر لیا کریں کہ ہوسناک نگاہیں ان کے تعاقب کا تصور بھی نہ کر سکیں۔ اپنی چادر اچھی طرح اوڑھ لپیٹ لیں۔ چادر کا ایک حصہ سر سے چہرے پر لٹکا کر گھونگھٹ ڈال لیا کریں، اور سر، چہرہ اچھی طرح چھپا کر نکلیں۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے کر بعد تک کے تمام بڑے بڑے مفسرین نے آیت کا یہی مفہوم مراد لیا ہے، اور چہرے کا چھپانا ضروری قرار دیا ہے۔ عربی لغت میں ان الفاظ کا اسی طرح استعمال موجود ہے۔ جب کسی عورت کے چہرے سے کپڑا سرک کر ہٹ جاتا ہے تو کہتے ہیں۔ اذِنِ ثَوْبِكَ عَلَيَّ وَجْهِيكَ ۝ اپنا کپڑا منہ پر ڈال کر چھپا لو ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو قول منقول ہیں ان کا مفہوم بھی یہی ہے۔ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خواتین کو حکم دیا ہے کہ جب کسی کام کے لئے وہ گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں سے اپنا سر اور منہ چھپا لیں، اور صرف ایک آنکھ کھلی رہے۔

ایک بار محمد ابن سیرین رحمہ اللہ نے حضرت عبید سلمانی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تشریح چاہی تو انہوں نے زبان سے کچھ بتانے کے بجائے اپنی چادر لی اور اس طرح اوڑھ کر دکھائی کہ سر، چہرہ وغیرہ سب کچھ چھپا لیا اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔

علامہ زرخشتری کشف میں اور علامہ عبداللہ ابن احمد نسفی زمدارک التنزیل میں فرماتے ہیں۔ ”موزنیں اپنے اوپر چادروں کا ایک حصہ لٹکالیا کریں اور اس سے اپنے چہرے اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔“

حضرت ابن جریر فرماتے ہیں۔ ”شرفیت خوانین لوندلیوں کا سالہا سال پہن کر گھروں سے باہر نہ نکلیں کہ ان کے چہرے اور سر کے بال کھلے ہوئے ہوں، بلکہ انہیں چاہیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکالیا کریں، تاکہ کوئی بدکردار ان کو چھیڑنے کی جرأت نہ کر سکے۔“

قرآن کے الفاظ اور مفسرین کی یہ تشریحات صاف صاف بتاتی ہیں کہ چہرہ کا پردہ فرض ہے۔ دور رسالت میں جو پردہ مسلم معاشرے میں رائج تھا، اس میں چہرہ کا پردہ لازمی تھا۔

کسی جنگ میں ایک خاتون اہم خلافت کے لڑکے شہید ہو گئے تھے، وہ ان کے بارے میں معلومات کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں لیکن اس دل ہلا دینے والے حادثے کے باوجود ان کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا، بی بی! اس وقت بھی تمہارے چہرے پر نقاب ہے! خاتون نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ ”ہاں“ میں نے بیٹا کھویا ہے، اپنی حیا نہیں کھوئی ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ افک کی جو تفصیلات اپنی زبانی بیان فرمائی ہیں اس کی سندیں نہایت ہی معتبر ہیں، اس میں ان کا بیان ہے، کہ ”جنگل سے واپسی پر جب میں نے دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے، تو میں وہیں بیٹھ گئی، اور ایسی نہیں آئی کہ...“

یہ ہیں پڑ کر سو گئی۔ صبح کو صفوان ابن معطل اُدھر سے گزرے تو دُور سے کسی کو پڑے
 دیکھ کر وہاں آگئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے۔ کیونکہ حجاب کے حکم سے پہلے وہ مجھے
 دیکھ چکے تھے، مجھے دیکھ کر حجب انہوں نے اِنَا لِنُدَوِ اِنَا لِنِيہِ راجعون پڑھا تو اُن کی آواز
 سے یکایک میری آنکھ کھل گئی، اور میں نے اپنی چادر سے اپنا مُنہ چھپا لیا۔

حالت احرام کے سلسلہ میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حَجَّةُ الْوُدَّع کے
 موقع پر احرام کی حالت میں ہم لوگ مکہ کی طرف جا رہے تھے، جب مسافر مرد ہمارے
 پاس سے گزرنے لگتے تو ہم اپنے سروں سے چادریں کھینچ کر اپنے مُنہ پر ڈال لیتے، اور
 جب وہ گزر جاتے تو ہم لوگ پھر اپنا مُنہ کھول لیتے۔

بہن ٹھن کرنے کھوتی پھرو

وَلَا تَبْرَجْنَ تَبْرَجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُولَى - (احزاب ۳۳)

» اور بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو جس طرح پہلے جاہلیت کے دور میں اپنے

حسن و سنگار کی نمائش کرتی تھیں۔

آیت کی حقیقی منشا معلوم کرنے کے لئے دو لفظوں کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے،

ایک تَبْرَج اور دوسرے جاہلیت۔

تَبْرَج کے مفہوم میں تین باتیں شامل ہیں۔

۱۔ اپنے چہرے اور جسم کی موزونیت اور حسن لوگوں کو دکھانا۔

۲۔ اپنے چمکتے زیوروں اور زرق برق لباس اور سامان آرائش کی نمائش کرنا۔

۳۔ اپنی پال ڈھال، چٹک مٹک اور ناز و انداز سے اپنے کو نمایاں کرنا۔

جاہلیت سے مراد ہر وہ طرز فکر و عمل ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت اسلامی

اخلاق و آداب اور اسلامی ذہنیت کے خلاف ہو۔

مطلب یہ ہے کہ عورتوں کا بدن ٹھن کر باہر نکلنا، چُست اور عریاں لباس پہن کر اپنے جسموں کی نمائش کرنا، چم چم کرتے زیوروں میں دلنوازی کی ادافل کے ساتھ پھرتا، اور پوڈروں اور غازوں سے پری پیکر بن کر مردوں کو دعوتِ نظارہ دینا و بدترین برائیاں ہیں جن میں لوگ اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں مبتلا تھے اسلامی تہذیب و آداب اور اسلامی ذہنیت سے ان برائیوں کا کوئی تعلق نہیں اسلامی طرزِ معاشرت میں نہ صرف یہ کہ ان کی گنجائش نہیں، بلکہ ان کے ہوتے اسلامِ معاشرت کا تصور محال ہے۔

غیر مردوں سے کھری لہجہ میں بات کرو

إِنَّ التَّقِيْنََ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ

مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا (الاحزاب ۳۲)

”اگر تم برائی سے بچنا چاہتی ہو تو (غیر مردوں سے) دبی زبان سے بات

نہ کیا کرو، کہ کوئی دل کا بیمار تم سے اس لگا بیٹھے، بلکہ صاف سیدھی اور کھری

کھری بات کرو“

اسلام بلا ضرورت عورتوں کا غیر مردوں سے ہم کلام ہونا پسند نہیں کرتا

ہاں اگر کوئی واقعی ضرورت پیش آجائے تو پردے کے پیچھے سے بات کرنے کی

اجازت دیتا ہے لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ لہجے میں کوئی شیرینی آواز میں کوئی لور

اور لگاؤ نہ ہو کہ کوئی ہوس کا مارا فلطامید باندھ لے، اور کسی ناروا اقدام کا

دل میں لائے، بلکہ سیدھے سادھے انداز میں مطلب کی کھری کھری مختصر بات کی جائے

غیر مردوں سے بلا ضرورت بات چیت کرنا، لہجہ میں گھلاوٹ اور آواز میں
 دانستہ لگھاوٹ اور شیرینی پیدا کرنا، اور غیر مردوں کے لئے غلط توقعات والبتہ
 کرنے کا موقع فراہم کرنا، ان بدکار اور آبرو باختہ عورتوں کا کام ہے جن کے دل
 خدا کے خوف سے خالی ہوں، اور جو شرم و حیا کی چادریں پھاڑ کر سنگی ہو چکی ہوں۔
 برائی سے نفرت کرنے والی، اور شرم و غیرت کے جذبات رکھنے والی شریف
 اور خدا ترس خواتین کبھی بلا ضرورت غیر مردوں کو اپنی آواز نہیں سنائیں، اور اگر کبھی
 کوئی ضرورت پیش آہی جائے تو پوری احتیاط اور خدا ترسی کے ساتھ کھرے لہجہ
 میں صاف سیدھی بات کرتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا
 ہے کہ عورت کی آواز بلا ضرورت غیر مرد کو سنائی جائے۔ اسی لئے آپ نے
 عورت کو اذان دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اور اگر کوئی عورت امام کے پیچھے
 جماعت کی نماز میں ہو، اور امام سے قلعہ ہو جائے تو اسے زبان سے سبحان اللہ
 کہنے کی اجازت نہیں دی ہے، بلکہ ہدایت فرمائی ہے کہ امام متنبہ کرنے کے
 لئے ہاتھ پر ہاتھ مار کر آواز پیدا کرے۔

زیوروں کی جھنکار نہ سناؤ

وَلَا يَغْرِبَنَّ يَأْرُجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ۔

(النور ۳۱)

”اور اپنے پاؤں زمین پر اس طرح مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ ان کی چھپی ہوئی

زینت (زیوروں کی جھنکار سے) لوگوں کو معلوم ہو جائے“

مطلب یہ ہے شریف عورتیں جب کسی ضرورت سے گھروں سے نکلیں تو

اس احتیاط سے نکلیں کہ ان کی کوئی چیز غیروں کے شہوانی جذبات کو ابھارنے کے باعث نہ بنے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو صرف زیوروں کی دلفریب جھنکار تک ہی محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ آپ نے فرمایا، جو عورت خوشبو لگا کر راستے سے گزرے کہ لوگ اس کی خوشبو سے لذت لیں تو وہ ایسی اور ایسی ہے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، آپ نے ایسی عورت کے لئے بڑے ہی سخت الفاظ استعمال فرمائے۔

ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو مسجد سے نکل رہی تھی۔ آپ کو محسوس ہوا کہ وہ خوشبو لگائے ہوئے ہے۔ آپ وہیں رُک گئے اور اُس سے کہا، اے خدائے جبار کی بندی! کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ”جو عورت مسجد میں خوشبو لگا کر آئے اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک وہ گھر جا کر جنابت کا غسل نہ کر لے“

نگاہیں نیچی رکھو

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ - (النور ۳۱)

”اور مومن عورتوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں“

نگاہیں نیچی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں ہر اُس چیز سے نظریں بچالیں جس کا دیکھنا درست نہ ہو۔ اتفاقاً اگر غیر مردوں کا سامنا ہو جائے تو فوراً نگاہ پھیر لیں کسی مرد یا عورت کے ستر پر نظر پڑ جائے تو ایک دم نظر ہٹالیں۔ نظر کی آوارگی انتہائی فتنہ خیز ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدہ بازمی کو زنا سے تعبیر فرمایا ہے۔ محرم

مردوں کے سوا دوسرے مردوں کو نگاہ بھر کر دیکھنا کسی طرح صحیح نہیں۔ راستہ چلتے یا کسی اور ضرورت سے وقتی طور پر نگاہ پڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس اجازت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عورتیں اپنی نظر کو ہر یا بندی سے آزاد کر لیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کوئی مرد کسی مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو نہ دیکھے۔

یوں تو نگاہیں نیچی رکھنے کے معاملہ میں مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں احکام ہیں لیکن احادیث کے مطالعہ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے معاملہ میں کسی قدر نرمی رکھی گئی ہے۔ مثلاً عورتیں جب مسجدوں، بازاروں یا سفر میں ہوتیں تو نقاب ڈالے رہیں کہ غیر مردوں کی نگاہ نہ پڑے، لیکن مردوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ بھی اپنے چہروں پر ایسے موقعوں پر نقاب ڈال لیں کہ عورتیں انہیں نہ دیکھ سکیں۔ لیکن یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس اجازت سے ضرورت کے وقت ہی فائدہ اٹھانا چاہیے۔ وہ اگر قصداً مردوں کو گھوریں گی تو خدا سے بغاوت کریں گی۔

اپنے ستر کی حفاظت کرو

وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ - (النور ۳۱)

”اور اپنے ستر کی حفاظت کرو“

ستر کی حفاظت سے مقصود صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ بدکاری سے بچو،

۱۵۔ جسم کے وہ حصے جن کا چھپانا ضروری ہے۔ عورتوں کا ستر منہ اور ہاتھ کے علاوہ پورا جسم ہے اور شوہر کے سوا کسی مرد کے سامنے اس کا کھولنا جائز نہیں۔ مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے اور بیوی کے سوا کسی دوسری عورت کے سامنے اس کا کھولنا جائز نہیں۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر طرح ستر کی حفاظت کرو۔

عورت کا ستر منہ اور ہاتھ کے سوا پورا جسم ہے۔ منہ اور ہاتھ کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ بھی شوہر کے سوا وہ کسی کے سامنے نہ کھولیں، حتیٰ کہ اپنے باپ اور بھائی کے سامنے بھی کھولنے سے پرہیز کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورتوں کو ایسا لباس پہننے سے بھی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، جو ایسا چست ہو جس میں سے جسم کی ساخت پوری طرح نمایاں ہو، یا ایسا باریک ہو کہ بدن اندر سے جھلکے۔ ایک بار آپ کی سالی حضرت اسماءؓ باریک کپڑے پہنے آپ کے سامنے آئیں تو آپ نے فوراً منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ ”اسمار! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ منہ اور ہاتھ کے علاوہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔“ البتہ گھر کا کام کاج کرتے ہوئے جسم کے جن حصوں کا کھلنا ناگزیر ہو، مثلاً کلاسیاں یا پنڈلیوں کا کچھ حصہ، تو باپ اور بھائی وغیرہ کے سامنے ان کے کھولنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ایک موقع پر تو آپ نے عورتوں کو سخت وعید سنائی ہے۔ آپ نے فرمایا ”وہ عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی سنگی رستی ہیں، دوسروں کو رجھاتی پھرتی ہیں، اور خود بھی دوسروں پر کھجتی ہیں، ناز سے لچکے کھاتی اور گردن کو بل دیتی چلتی ہیں، وہ نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی خوشبو سونگھ سکیں گی۔“

اپنا بناؤ سنگار چھپائے رہو

وَلَا يَبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ (النور ۳۱)

”اور اپنے بناؤ سنگار کو ظاہر نہ ہونے دو، ہاں جو (تہارے ارادے

کے بغیر خود بخود ظاہر ہو جائے ۛ

”زینت“ سے جسم کے وہ حصے بھی مراد ہیں جن میں مختلف قسم کی آرائشیں کی جاتی ہیں۔ مثلاً سر کے بال، آنکھیں، گردن، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ۔ اور وہ چیزیں بھی مراد ہیں جن سے بناؤ سنگار کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہاتھ، پاؤں، ناک، کان اور گلے کے خوشنما زیورات، خوبصورت، دیدہ زیب کپڑے، سرمہ، مٹی، مہندی وغیرہ۔ بناؤ سنگار اور زیب و زینت کا اظہار عورت کا فطری جذبہ ہے۔ اگر شریف زادیاں گھروں میں رہتے ہوئے محرم رشتہ داروں کے حلقہ میں زیب و زینت کا اظہار کریں تو قرآن روکتا نہیں۔ لیکن وہ یہ ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ کوئی مومنہ بناؤ سنگار (Make up) کر کے مردوں کو عام دعوتِ نظارہ دے اور ان سے دادِ حسن لے۔ ہاں اگر کبھی اتفاقی طور پر قصد و ارادہ کے بغیر کسی زینت کا اظہار ہو جائے، اتفاق سے دوپٹہ سر سے ڈھلک جائے، گلا کھل جائے، یا ہاتھ پاؤں کی کسی زینت کا اظہار ہو جائے تو اس طرح کے غیر اختیاری اظہار پر کوئی گرفت نہیں۔

سر، سینہ دوپٹے سے چھپائے رہو

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ۔ (النور، ۳۱)

ۛ اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کے انچل ڈالے رہیں ۛ

ۛ جن محرم رشتہ داروں کے سامنے عورت اپنی زینت و آرائش کا اظہار کر سکتی ہے ان کی تفصیل آگے محرم رشتہ دار کے عنوان سے آ رہی ہے۔

عمومی طور پر زیب و زینت کے اظہار سے منع فرمانے کے بعد تاکید کی گئی کہ دوپٹے اوڑھے رہا کریں، اور سلینوں پر آنچل ڈلے رہیں، تاکہ سر کے بال، کان اور گلے کے زیورات اور سلینوں کا ابھار ظاہر نہ ہونے پائے۔ جسم کے یہ حصے خصوصی طور پر صیغہ مخالف کے لئے انتہائی کشش رکھتے ہیں، اور ان کے چھپانے میں بے احتیاطی سے فتنے اُٹھنے کے اندیشے زیادہ ہیں، اس لئے ان کے چھپانے میں مبالغہ سے کام لیا جائے اور کسی قسم کی کوتاہی اور لاپرواہی نہ کی جائے۔ اس کے بعد پھر وہی الفاظ دہرائے گئے ہیں کہ ”اپنی زینت کا اظہار نہ کرو“ اور ان محرم رشتہ داروں کی تفصیل دی گئی ہے جن کے حلقہ میں اظہار زینت کی رخصت ہے۔ اس ترتیب بیان اور تاکید میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگرچہ قانونی طور پر عورت کو محرم رشتہ داروں کے سامنے بناؤ سنگار اور اظہار زینت کی اجازت ہے، اور اس کو کسی بے جا تنگی میں مبتلا نہیں کیا گیا ہے، لیکن جہاں تک سر، گر بیان اور سلینے کا سوال ہے غیرت و حیا کا تقاضا یہی ہے کہ عورت قانونی رخصت کے باوجود عام حالات میں ان محرم رشتہ داروں کے سامنے ان پر دوپٹہ لپیٹے رہے۔ ہاں اگر کبھی ضرورت یا اتفاق سے دوپٹہ اتارے ہوئے ہو، ان رشتہ داروں میں سے کسی کا سامنا ہو جائے تو بیجا تکلف اور پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ البتہ مستقل طور پر گھروں میں دوپٹہ اوڑھے بغیر بے تکلفی کے ساتھ سر، سلینے اور گر بیان کھولے پھرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”عورت صرف اپنے شوہر کے سامنے دوپٹہ اتار کر آسکتی ہے“ (بخاری ج ۵ ص ۵۰۰ جلد ۲)

جاہلیت کے زمانہ میں عورتیں سروں پر ایک طرح کے کسادے باندھے رکھتی تھیں جن کی گرہ جوڑے کی طرح پیچھے چوٹی پر لگائی جاتی تھی۔ سامنے گریبان کھلا رہتا تھا، اور سینوں پر قمیص کے سوا کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا۔ پیچھے دو دو تین تین چوٹیاں لہراتی تھیں۔

جب سورہ نور کی یہ آیتیں نازل ہوئیں تو مسلمان عورتوں میں پردہ رائج کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ عورتیں اپنی زینت کو اچھی طرح چھپا سکیں، نہ یہ کہ اس کو اور زیادہ زینت و آرائش کا ذریعہ بنائیں۔ تفسیر خازن میں ہے دوپٹے سینوں پر ڈالے رہیں تاکہ سر کے بال، گردن، زیور اور سینہ کو چھپائے رکھیں ظاہر ہے یہ مقصد بارہ گرہ چوڑی اس باریک پٹی سے ہرگز پورا نہیں ہو سکتا، جو بالوں کی آرائش، زیوروں کی چمک اور سینے کے ابھار کو چھپانے کے بجائے اور زیادہ پرکشش بنا کر نمایاں کرتی ہیں، جسے آج کل کی خواتین گلے کا ہار بنا کر شرم و حیا کا مذاق اڑاتی ہیں۔

بڑھی عورتیں چادر اتار سکتی ہیں

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يُرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ

جِنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ - (النور، ۶۰)

”اور جو عورتیں جوانی سے گزری بیٹی ہوں، جن کو نکاح کی کوئی امید نہ ہو

وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔“

”القواعِدُ مِنَ النِّسَاءِ“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو جوانی کی حد سے گزر کر ”سن یاس“

کو پہنچ چکی ہوں، جن کی جنسی خواہشات مرجئی ہوں، اور جن کو دیکھ کر مردوں میں کوئی مصنفی جذبہ پیدا نہ ہو سکتا ہو، وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہ گئی ہوں، اولاد اب انہیں

کسی کے نکاح میں جانے کی امید نہ ہو۔

ایسی سن رسیدہ عورتیں اگر اپنی چادر یا دوپٹہ اتار کر ننگے سر رہیں تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ بناؤ سنگار کی نمائش نہ کریں۔

غَيْرُ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ - (النور ۶۰)

”بشرطیکہ وہ اپنی زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔“

یعنی چادر اتارنے کی اجازت صرف ان بوڑھی عورتوں کے لئے ہے جن کے صنفی جذبات سرد پڑ چکے ہوں، جن میں بن ٹھن کر رہنے کا شوق ختم ہو چکا ہو لیکن اگر ان میں ابھی نمائش حسن و جمالی کا جذبہ باقی ہے تو پھر وہ اس رخصت سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں رکھتیں۔

بہتر یہی ہے کہ چادر اوڑھے رہیں

وَ اِنْ يَسْتَعْجِفْنَ خَيْرٌ لَّهِنَّ - (النور ۶۰)

”اور یہ اس سے بچیں تو یہی ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔“

بوڑھی عورتوں کو چادر اتارنے اور ننگے سر رہنے کی اجازت تو ہے، لیکن اگر وہ اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھائیں، احتیاط کریں، اور پردہ کے آداب کا پورا پورا خیال رکھیں تو یہ ان کے حق میں بہت زیادہ بہتر ہے۔

پردہ کے ان احکام کے ساتھ ساتھ قرآن نے مرد کو بھی کچھ بنیادی ہدایتیں دی ہیں جن پر عمل کر کے ہی پردہ کے وہ اخلاقی و معاشرتی مقاصد پورے ہو سکتے ہیں جن کے لئے پردہ فرض کیا گیا ہے۔

مرد نگاہیں نیچی رکھیں

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ - (النور ۳۰)

”اور مومن مردوں کو ہدایت کیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔“

نگاہیں نیچی رکھنے سے مراد یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی اور محرم خواتین کے علاوہ کسی اجنبی عورت پر نگاہیں نہ گاڑے کسی کے ستر پر نظر نہ ڈالے اور ایسے تمام فحش مناظر سے نظر بچالے جو بے حیائی کے جذبات کو ابھارتے ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی مسلمان کی نگاہ کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑے اور وہ نظر ہٹالے تو اللہ تعالیٰ اس کی عبادتوں میں لذت پیدا فرما دیتا ہے۔ (سند احمد)

آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ ”کسی پر نظر میں نہ جماؤ۔ پہلی نظر تو معاف ہے، مگر دوسری نظر معاف نہیں۔“ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یا رسول اللہ! اگر اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ”فوراً نظر پھیر لو۔“

در اصل نظر کی آوارگی تمام بے حیائیوں اور بد اخلاقیوں کا سرچشمہ ہے اسلئے قرآن نے تمام مسلمان مردوں کو یہ اصولی ہدایت دی کہ ”اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔ اور نظر کی آوارگی سے بچے رہو۔ اپنے ستر کی حفاظت کریں۔“

وَيُحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا

يُفْعَلُونَ ۝ (النور ۳۰)

”اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکبازی کی بات ہے۔ جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح واقف ہے۔“

اس ہدایت کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ناجائز جنسی افعال سے بچو، بلکہ یہ مقصود بھی ہے کہ اپنا ستر کسی دوسرے کے سامنے نہ کھولو، مرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ناف سے گھٹنے تک کا حصہ اپنی بیوی کے سوا کسی کے سامنے کھولے۔ شرم و حیا اور پاکبازی کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی اپنے ستر کی ہر طرح حفاظت کرے۔ برہنگی اور عریانی سے پرہیز کرے، اور کوئی ایسی بے احتیاطی نہ کرے جو جنسی آوارگی کی طرف لے جاسکتی ہو۔ قرآن نے مومن مرد اور عورت کی یہ بنیادی صفت بتائی ہے کہ وہ برہنگی اور عریانی اور آزاد شہوت رانی سے اپنے ستر کو محفوظ رکھتے ہیں۔

وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ اَعَدَّ اللَّهُ
لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب ۳۵)

”اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں ان کے لئے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔“

رشتہ داروں سے پردہ

پردہ کے احکام و حدود جاننے کے لئے مردوں سے رشتہ کی نوعیت اور تعلق کی حیثیت کا جاننا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے مرد تین طرح کے ہو سکتے ہیں۔

۱۔ وہ اجنبی مرد جن سے عورت کا کوئی رشتہ نہ ہو، ان سے عورت کو مکمل پردہ کرنا چاہیے۔ نہ صرف یہ کہ عورت ان سے اپنا جسم چھپائے بلکہ بلا ضرورت ان کو اپنی آواز بھی نہ سنائے۔

۲۔ وہ محرم رشتہ دار جن سے ابدی حرمت کا رشتہ ہے، ان کے سامنے عورت اپنی پوری زینت کے ساتھ آزادی سے آسکتی ہے جیسے باپ، بھائی، بیٹا، خسر، بھانجا، بھتیجا، داماد اور رضاعی رشتہ دار وغیرہ۔ اور شوہر سے زینت کے چھپانے کا سوا اہل نہیں پیدا ہوتا۔

۳۔ وہ غیر محرم رشتہ دار جن سے ابدی حرمت کا رشتہ نہیں ہے یعنی جن سے ایک کنواری یا بیوہ کا نکاح جائز ہے۔ یہ نہ تو بالکل اجنبیوں کے حکم میں ہیں کہ ان سے غیروں کی طرح مکمل پردہ کیا جائے، اور نہ محرم رشتہ داروں ہی کے حکم میں ہیں کہ ان کے سامنے عورت بے تکلف اپنی زینت کے ساتھ آئے۔ ان سے پردے کے صحیح صحیح حدود کیا ہوں؟ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ ان سے پردے کے حدود کا تعین فریقین کے حالات، عمر، رشتوں کی نوعیت، ان کا پس منظر اور خاندانی تعلقات وغیرہ کے لحاظ سے ہی ہوگا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں لیکن آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتی رہیں۔ اسی طرح حضرت امام ہانی رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور آپ کی چچا زاد بہن تھیں، ہمیشہ آپ کے سامنے آتی رہیں۔ لیکن اسی کے

ساتھ دور رسالت کا یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے فضل کو اور آپ کے ایک چچا زاد بھائی ربیعہ بن حارث اپنے بیٹے عبدالمطلب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہہ کر بھیجتے ہیں کہ اب تم جوان ہو گئے ہو۔ جب تک تمہیں روزگار نہ ملے تمہاری شادیاں نہیں ہو سکتیں۔ لہذا تم رسول اللہ کے یہاں جا کر روزگار کے لئے کہو۔ یہ دونوں، حضرت زینبؓ کے مکان پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت زینبؓ فضل کی حقیقی بھوپہی زاد بہن ہیں، اور عبدالمطلب کے والد ربیعہؓ ابن حارث سے بھی ان کا وہی رشتہ ہے، لیکن حضرت زینبؓ ان دونوں کے سامنے نہیں آئیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ان کے ساتھ پردے کے پیچھے سے بات کرتی ہیں۔

محرم رشتہ دار

محرم رشتہ دار وہ ہیں جن سے ابدی حرمت کا رشتہ ہے۔ قرآن حکیم نے ان سے پردہ نہ کرنے کی اجازت دی ہے یعنی ان کے سامنے عورت اپنی آرایش و زیبائش کے ساتھ آزادی سے آسکتی ہے۔ قرآن حکیم نے ان کی جو فہرست دی ہے، اس میں چچا، ماموں، داماد اور رضاعی رشتہ داروں کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فہرست کا جو مطلب سمجھا ہے، اور اس سے جو اصول اخذ فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ جن جن رشتہ داروں سے ایک عورت کا نکاح حرام ہے وہ سب اسی آیت کے حکم میں داخل ہیں۔ ان

۱۔ ابوداؤد کتاب الخراج۔

کے علاوہ دوسرے تمام مرد خواہ وہ غیر ہوں یا رشتہ دار ان کے سامنے نہ تو عورت اپنی آرائش اور زیبائش کا اظہار کرے اور نہ ان کے جسم سے اپنا جسم مس ہونے دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات کبھی کسی غیر عورت کے جسم کو ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ عورتوں سے بیعت بھی لیتے تو صرف زبانی عہد و پیمان ہوتا۔ قرآن نے محرم رشتہ داروں کی یہ فہرست انور آیت ۳۱ میں دی ہے۔

شوہر

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ - (النور ۳۱)

”اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں، مگر اپنے شوہر کے سامنے“

عورت کو جن رشتہ داروں کے سامنے اظہار زینت کی اجازت دی گئی ہے ان میں شوہر کا بھی ذکر ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس معاملہ میں شوہر اور یہ دوسرے رشتہ دار یکساں ہیں۔ ظاہر ہے عورت جن زینتوں کا اظہار اپنے شوہر کے سامنے کر سکتی ہے، دوسروں کے سامنے نہیں کر سکتی۔ پھر شوہر کے سامنے وہ اپنے قصد و ارادے سے ہر طرح کی آرائش و زیبائش کا اظہار کرتی ہے اور شریعت اس کے ارادے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، لیکن دوسرے محرم رشتہ داروں کے سامنے اظہار زینت کی جو اجازت ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ عورت ان کے درمیان بے تکلفی کے ساتھ آزادی سے رہے، شریعت اس کو بیجا تکلف اور تنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی۔ البتہ شریعت عورت کی فطری حیا کو نشوونما دے کر اس کے لئے حیا کی فطری چادر ضرور مہیا کر دیتی ہے، اور چاہتی ہے کہ عورت اس چادر سے ہر موقع پر مناسب

کام لے۔

باپ

أَوْ اِبْنَاءِ هُنَّ۔

یا اپنے ”باپ“ کے سامنے۔

آباء کے مفہوم میں دادا، پردادا، اور نانا، پرنانا سب ہی شامل ہیں۔

خسر

أَوْ اِبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ۔

یا اپنے ”خسر“ کے سامنے۔

شوہر کے دادا، پردادا، اور نانا، پرنانا کا بھی یہی حکم ہے۔

بیٹے

أَوْ اِبْنَاءِ هُنَّ۔

یا اپنے ”بیٹوں“ کے سامنے۔

بیٹوں میں پوتے، پرپوتے، اور نواسے، پرنواسے سب شامل ہیں اور اس

معاملہ میں سگے، سوتیلے کا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز داماد کا بھی یہی حکم ہے۔

سوتیلے بیٹے

أَوْ اِبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ۔

یا اپنے ”شوہروں کے بیٹوں“ کے سامنے۔

بھائی

یا اپنے ”بھائیوں“ کے سامنے۔

أَوْ اِخْوَانِهِنَّ۔

بھائیوں میں سگے، سوتیلے اور ماں جائے بھائی سب شامل ہیں۔

بھتیجے

اَوْ بِنْتِ اِخْوَانِهِمْ۔

یا اپنے ”بھائیوں کے بیٹوں“ کے سامنے۔

بھائی کے پوتے، پرپوتے، اور نواسے، پر نواسے بھی اسی حکم میں ہیں۔

بھانجے

اَوْ بِنْتِ اِخْوَانِهِمْ۔

یا اپنی ”بہنوں کے بیٹوں“ کے سامنے۔

بہن کے پوتے، پرپوتے، اور نواسے، پر نواسے کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر بھائی یا بہن سے۔ تینوں قسم کے بھائی اور بہن مراد ہیں۔ یعنی اخیانی اور علاتی بہن بھائیوں کا بھی یہی حکم ہے۔

یہاں تک تو محرم رشتہ داروں کا ذکر تھا۔ آگے بعض ان لوگوں کا ذکر ہے جو رشتہ دار تو نہیں ہیں لیکن گھریلو زندگی میں ان سے ہمہ وقتی تعلقات ناگزیر ہیں۔ قرآن نے عورت کو بے جا تنگی میں مبتلا نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے سامنے بھی اظہارِ زینت کی اہازت دی ہے، کیونکہ ان کے سامنے آنے میں پردے کی مصلحتیں مجروح نہیں ہوتیں۔

میل جوں کی عورتیں

اَوْ نِسَاءً هُنَّ۔

”یا اپنی میل جوں کی عورتوں کے سامنے“

اپنی میل جول کی عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو جانی پہچانی ہوں، گھر کے کام کاج میں حصہ لینے والی ہوں، اور جو باحیا، شریف، پاکباز، اور نیک اطوار ہوں۔ ایسی ہی عورتوں سے مسلم خواتین آزادی کے ساتھ بے تکلف ہو سکتی ہیں۔ اور جو عورتیں آوارہ، بے حیا اور بد اطوار ہوں ان سے مسلم خواتین کو پردہ ہی کرنا چاہیے۔ رہیں وہ عورتیں جن کے اخلاق و تہذیب کے بارے میں کچھ علم نہ ہو تو ان سے ویسا ہی پردہ ہونا چاہیے جیسا نامحرم رشتہ داروں سے ہوتا ہے۔ یعنی بالحدہ اور چہرے کے علاوہ پورا جسم اور اس کی زینت ان سے چھپانی چاہیے۔

مملوک لونڈی اور غلام

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ -

”یا اپنے مملوک کے سامنے“

یعنی وہ لونڈی اور غلام جو عورت کی ملکیت میں ہو۔

زیر دست مغفل خدمتگار

أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْأَرْبَابَةِ مِنَ الرِّجَالِ -

”یا ان زیر دست مردوں کے سامنے جو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے“

اے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، مجاہدؓ، حسن بصریؓ اور امام ابوحنیفہؒ مملوک سے صرف باندیاں مراد لیتے ہیں، اور ان کے نزدیک غلام سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن حضرت عائشہؓ، ام سلمہؓ اور بعض ائمہ اہل بیت کا مسلک یہ ہے کہ اس سے باندی اور غلام دونوں مراد ہیں۔ ان کے نزدیک عورت اپنے غلام کے سامنے اظہار زینت کر سکتی ہے۔

قرآن کے ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم مردوں کے سوا عورت جس مرد کے سامنے اپنی آرائش کے ساتھ بے تکلف آسکتی ہے اس میں ڈوبائیں پانی جانی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ محکوم اور زیر دست ہو، دوسرے یہ کہ جنسی خواہش نہ رکھتا ہو، یعنی وہ سیدھے سادے بے وقوف مرد جو اپنی محکومی، زیر دستی، فقر و مسکنت، بڑھاپے، جسمانی کمزوری یا عقلی فتور کی بنا پر یہ طاقت و ہمت نہ رکھتے ہوں کہ گھر کی خواتین پر نگاہ اٹھا سکیں اور کوئی برا خیال دل میں لا سکیں، لیکن اگر کسی مرد میں مردانہ کمزوری کے باوجود جنسی خواہش دبی ہوئی ہو، اور وہ عورتوں سے دلچسپی رکھتا ہو تو اس کے سامنے خواتین کو اظہارِ زینت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مدینہ میں ایک مخنث تھا جو گھروں میں آتا جاتا تھا، اور خواتین اُسے غیر اذی الازہبہ میں شمار کر کے اپنے ہاں آنے دیتی تھیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو وہ مخنث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ ابن امیہ سے گفتگو کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ اگر طائف فتح ہو جائے تو خیالان ثقفی کی بیٹی باویہ کو ضرور حاصل کرنا۔ اور پھر اس نے باویہ کے جسم اور حسن کی ایسی تعریف کی کہ اس کے پوشیدہ اعضا تک کی خوبیاں بیان کر ڈالیں۔ آپ نے سنا تو فرمایا: "خدا کے دشمن! تو نے تو اس میں نظریں گاڑ دیں" پھر آپ نے حکم دیا کہ "آئندہ یہ گھروں میں نہ آنے پائے، اس سے پردہ کرو" اس روشنی میں سوچیے تو معلوم ہوگا کہ تہذیب جدید سے متاثر عورتیں جن خانساموں، بیروں اور جوان جوان نوکروں کے سامنے آتی ہیں، وہ ہرگز قرآنی احکام کا احترام نہیں کرتیں، وہ شریعت کی اتباع میں نہیں بلکہ خواہشات کی اتباع میں لگی ہوئی ہیں۔

نسوانی باتوں سے ناواقف لڑکے

أَوِ الْطِفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ -

”یا ان لڑکوں کے سامنے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف

نہ ہوئے ہوں“

یعنی وہ کم عمر لڑکے جن میں ابھی صنفی احساسات بیدار نہ ہوئے ہوں۔ اس تعریف کی رو سے خواتین صرف انہی لڑکوں کے سامنے زینت و زیبائش کے ساتھ آسکتی ہیں جن کی عمر دس بارہ برس سے زیادہ نہ ہو۔ اس سے زیادہ عمر کے لڑکے اگر چہ بالغ نہ ہوں لیکن ان میں جنسی احساسات بیدار ہونے شروع ہو جاتے ہیں، اور ان کے معاملہ میں احتیاط برتنا ضروری ہے۔

والدین کے حقوق

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ - (لقمن ۱۴)

”اور ہم نے انسان کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ اپنے والدین کا حق پہچانے“
 معاشرتی زندگی میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔ اس حق کی عظمت و
 اہمیت کا اندازہ قرآن کے اس انداز بیان سے کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اپنے حق
 کے ساتھ ساتھ والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے، اور اپنے شکر کی تاکید کے ساتھ
 ساتھ یہ تاکید بھی کی ہے کہ والدین کے شکر گزار رہو۔

والدین کی شکرگزاری

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ - (لقمن ۱۴)

”ہم نے یہ وصیت کی ہے کہ میرا شکر ادا کرو، اور اپنے والدین کے شکر

گزار رہو“

محسن کی شکرگزاری اور احسان مندی، انسانیت اور شرافت کا اولین تقاضا
 ہے، انسان کے وجود کا محسوس سبب والدین ہیں، پھر والدین ہی اس کی پرورش و
 حفاظت کرتے ہیں، اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے ہیں، اور ہر طرح کی قربانی دے
 کر اس کو اس لائق بناتے ہیں کہ وہ ایک موثر اور مفید وجود کی حیثیت سے سوسائٹی
 میں زندگی گزار سکے۔ اس غیر معمولی قربانی اور بے مثل سرپرستی کا فطری تقاضا ہے کہ
 آدمی کا سینہ والدین کی عقیدت و احسان مندی اور عظمت و محبت سے سبز رہے،

اور وہ دل سے ان کا شکر گزار ہو۔

والدین سے بھلائی کرنا

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ (بنی اسرائیل ۲۲)

”لدر ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔“

”بھلائی کرو“ ایک ایسی جامع بات ہے جس میں ہر طرح کی خیر خواہی اور نیک

سلوک شامل ہے۔

والدین کا ادب کرنا

وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (بنی اسرائیل ۲۲)

”اور ان سے ادب و احترام کی بات کہو۔“

یعنی گفتگو میں ان کی عظمت اور اپنے مقام فرزندگی کا خیال رکھو۔ ایک بار

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا آپ یہ چاہتے ہیں جہنم سے دور

رہیں اور جنت میں داخل ہوں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں، خدا کی قسم یہی

چاہتا ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، آپ کے والدین زندہ ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ

نے کہا جی ہاں، میری والدہ زندہ ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ اگر آپ ان کے

ساتھ نرمی سے بات چیت کریں، اور ان کے کھانے پینے کا خیال رکھیں تو آپ ضرور

جنت میں جائیں گے۔ بشرطیکہ آپ کبیرہ گناہوں سے بچتے رہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار دو آدمیوں کو دیکھا۔ ایک سے پوچھا یہ دوسرے

تمہارے کون ہیں؟ اس نے کہا، یہ میرے والد ہیں۔ آپ نے فرمایا، دیکھو، نہ ان کا نام

لینا نہ کہیں ان سے آگے آگے چلنا اور نہ کہیں ان سے پہلے بیٹھنا۔

والدین پر خرچ کرنا

يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

(البقرہ ۲۱۵)

”لوگ آپ سے پوچھتے ہیں، ہم کیا خرچ کریں؟ ان سے کہہ دیجئے تم جو مال بھی

خرچ کرو، پس اس کے پہلے مستحق والدین ہیں۔“

یعنی خدا کی مرضی کے مطابق اس کی راہ میں تم جو بھی خرچ کرو، وہ اس سے باخبر ہے،

وہ ضرور تمہیں اجر دے گا۔ لیکن یہ ضرور خیال رکھو کہ سوسائٹی میں تمہارے مال کے جو

مستحقین ہیں ان میں سب سے پہلا حق والدین کا ہے۔

والدین کی مرضی کا لحاظ رکھنا

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ

لَهُمَا آفٌ وَلَا تُنْهَرُهُمَا۔ (بنی اسرائیل ۲۳)

”اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ

جائیں تو تم انہیں آف نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکیاں دو۔“

یوں تو جوانی ہو یا بڑھاپا، ہر عمر میں والدین کے ساتھ نرمی اور عاجزی سے پیش

آنا چاہیے، لیکن بڑھاپے میں اس امر کی خصوصی تاکید اس لئے ہے کہ اس عمر میں

کمزوری کے باعث بات کی برداشت کم ہو جاتی ہے، مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا

ہے، اور زندگی کی ان آخری گھڑیوں میں اپنی اہمیت کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے

اس دور میں خاص طور پر تاکید ہے کہ ان کے ساتھ عاجزی اور نرمی کا اہتمام کیا جائے

اور ہر بات میں ان کی مرضی اور مزاج کا خیال رکھا جائے۔

انکساری سے پیش آنا

وَخَفِضْ لَهُمَّا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ - (بنی اسرائیل ۲۴)

”اور عاجزی اور انکساری سے اُن کے سامنے جھکے رہو۔“

”عاجزی سے جھکنے“ کے مفہوم میں ادب و احترام، عقیدت و محبت، اطاعت

و خدمت سب کچھ داخل ہے۔

والدین کیلئے دعا کرنا

وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا - (بنی اسرائیل ۲۴)

”اور دعا کرو کہ پورا دگار! ان دونوں کے حال پر رحم فرما! جس طرح انہوں

نے بچپن میں میری پرورش فرمائی تھی۔“

یعنی اے پروردگار! بچپن میں جب میں انتہائی بے بس و مجبور تھا اور ان کی

سرپرستی اور پرورش کا انتہائی ضرورت مند تھا، انہوں نے جس رحمت و جانفشانی اور

شفقت و محبت سے میری پرورش فرمائی وہ ابھی کا حصہ ہے۔ پروردگار! آج یہ

بڑھاپے کی بے بسی اور کمزوری میں مجھ سے زیادہ خود رحمت و شفقت اور سرپرستی

کے محتاج ہیں۔ — خدایا! ان کی سرپرستی فرما۔ اور ان کے حال زار پر رحم کی نظر کر!

ماں کا حق زیادہ ہے

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى

وَهْنٍ - (لقمن ۱۴)

”اور ہم نے انسان کو والدین کے حق ماننے کی تاکید کی ہے (خاص

طور پر ماں کے حق کی کہ) اس کی ماں اس کو اٹھائے اٹھائے پھری، کمزوری پر

ہیں، جو عمل کی کم سے کم مدت ہے۔ دودھ پلانا ماں کا ایک اور خصوصی احسان ہے۔ اس کا تذکرہ بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ ماں تمہاری خدمت و اطاعت کی خصوصی مستحق ہے۔

اطاعت والدین کی حد

وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَاَنْتَبِعُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
(عنکبوت ۸)

”اور اگر وہ دونوں تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ شرک کرو، جس کے لئے تمہارے پاس کوئی واقعی علم و دلیل نہیں ہے، تو ہرگز ان کا کہانہ مانو۔۔۔۔۔ میرے ہی پاس تم سب کو پلٹ کر آنا ہے، پس میں تم میں سے ہر ایک کو بتا دوں گا کہ تم دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہو۔“

یہ تو حقیقت ہے کہ خدا کے بعد سب سے بڑا سچا ماں باپ کا ہے اور خدا کے بعد انہی کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔ لیکن والدین کی یہ اطاعت خدا کی اطاعت کے تحت ہے نہ کہ اس سے آزاد۔ اگر سوا اتفاق سے کسی کے والدین شرک اور نافرمانی پر مجبور کرنے لگیں تو کی اطاعت ہرگز نہ کی جائے خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔ ماں باپ کی اطاعت اسی حد تک کی جائے گی جہاں خدا کی نافرمانی نہ ہو۔

مشرک والدین کے ساتھ حسن سلوک

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا

تَطِئُهُمَا طَوْعًا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَإِتِّبَاحٌ سَبِيلَ مَنْ
 آتَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

(لقمان ۱۵)

”اور اگر وہ دونوں تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ شرک کرو جس کے
 لئے تمہارے پاس کوئی واقعی علم و دلیل نہیں ہے تو ہرگز ان کا کہنا نہ مانو، اور
 نیک سلوک کرتے رہو دنیا کی زندگی میں، البتہ پیروی صرف اس کے راستے
 کی کرو جو میری طرف رجوع ہو پھر میرے ہی پاس تم سب کو پلٹ کر آنا ہے،
 اس وقت میں تم سب کو بتا دوں گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔“

خدا کی نافرمانی کے معاملہ میں ان کی اطاعت سے انکار کا مطلب یہ ہرگز نہیں
 کہ اب ان کا کوئی حق ہی نہ رہا۔ دنیا کی زندگی میں ان کے ساتھ نیک سلوک، ان کی
 خدمت اور ان کی ضروریات کا بہر حال خیال رکھنا ہوگا۔ پھر آخر کار سب کو خدا ہی کی
 طرف پلٹ کر جانا ہے، وہاں ہر ایک کو اس کے کئے کے مطابق جزا یا سزا لازماً
 ملے گی۔

باپ دادا کی اندھی تقلید جہالت ہے

وَإِذْ أَوْحَيْنَا لَهُمْ آتَّبِعُوا مَا أَنْزَلْنَا اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَدَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا
 عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانُوا أَعْبَاءَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا ذَلِيلًا فَهَتَدُونَ ۝

(البقرہ ۱۷۰)

”اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے نازل کئے ہوئے احکام
 کی پیروی کرو تو (ڈھٹائی سے) جواب دیتے ہیں نہیں بلکہ ہم تو اسی طریقے کی

پیروی کرتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو، اور راہ راست نہ پائی ہو تو بھی یہ ان کی اندھی پیروی کئے ہی جائیں گے؟“

وَإِذْ أَقْبَلُ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْنَا لِيَعْلَمَ الَّذِينَ هُمْ أَغْيَا أَمْ أَغْيَا
حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاءُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (المائدہ ۱۰۴)

”اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس قانون کی پیروی کرو جو خدا نے نازل فرمایا ہے، اور اس رسول کی اطاعت کرو، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لئے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ تو کیا یہ اندھی تقلید ہی کئے جائیں گے خواہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں، اور صحیح راہ سے بالکل بے خبر ہوں۔“

اطاعت والدین میں کوتاہی

رَبِّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِنَّ تَكُونُوا صَادِقِينَ فَإِنَّهُ

كَانَ لِلَّهِ قَابِلِينَ عَفُوسًا (بنی اسرائیل ۲۵)

”تمہارا رب اس سے اچھی طرح واقف ہے جو کچھ تمہارے دلوں

میں ہے، اگر تم نیک اور سعادت مند بن کر رہو تو خدا صحیح رویے کی طرف

پلٹ آنے والوں کے لئے بہت درگزر فرمانے والا ہے۔“

”اقوابین“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے قصوروں پر متنبہ ہوتے ہی صحیح رویے کی

طرف پلٹ آتے ہیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تو تمہارے دل کے جذبات

کو دیکھتا ہے، اگر تم نیک اور سعادت مند بن کر رہنا چاہتے ہو، اور پھر کبھی نادانی میں تم سے کوئی نافرمانی ہو جاتی ہے تو وہ تمہاری پکڑ نہ فرمائے گا۔ وہ تو بہت زیادہ درگزر فرمانے والا ہے۔ اگر بندہ اپنے قصور پر متنبہ ہوتے ہی صحیح رویے کی طرف پلٹ آئے۔

اولاد اور نسل کے حقوق

جس طرح اولاد پر والدین کے کچھ حقوق ہیں، اسی طرح والدین پر بھی اولاد اور نسل کے کچھ حقوق ہیں جنہیں ادا کئے بغیر ایسا معاشرہ ہرگز وجود میں نہیں آسکتا جس سے صلاح و فلاح کی توقع کی جاسکے، اور جس پر کسی اعلیٰ تمدن کی عمارت اٹھائی جاسکے۔

نسل کی حفاظت کرو

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْشُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ

إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً (بخاری اسرائیل ۳۱)

”اور اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں

گے، اور تمہیں بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ نسل کشی بہت ہی بڑا گناہ ہے۔“

یہ آیت نسل کشی کو عظیم ترین گناہ قرار دیتی ہے اور اس کی رو سے قتل اولاد کی تمام

ہی شکلیں ناجائز قرار پاتی ہیں۔ خواہ وہ استقاطِ حمل ہو یا منیعِ حمل، یا مرد و عورت کا

آپریشن۔ خدا نے جن روحوں کو اس سرزمین پر جسمانی لباس دینا طے کیا ہے، ان کے

رزق کا سامان بھی اس نے خشکی اور زرمی میں پھیلا رکھا ہے۔ اب یہ انسان کی انتہائی

پستی، کم ہمتی اور بد عقلی ہے کہ وہ افزائشِ رزق کے اسباب مہیا کرنے اور تلاش

رزق کی محنت اور کاوش کرنے سے توجی چراتا ہے لیکن رزق کی کمی کی دہائی دے کر نسل کشی جیسے بدترین جرم کا مرتکب ہوتا ہے، اور انسانی معاشرہ کی جڑیں کاٹتا ہے کون جانتا ہے کہ پیدا ہونے والوں میں کون سا وجود معاشرہ کو کن کن ترقیوں اور سر بلندیوں کی راہ سجھائے گا، اور رزق کے کن کن پوشیدہ خزانوں کو ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوگا۔ قرآن شریف ہرگز اسے گوارا نہیں کرتا کہ انسان اس بدترین لعنت میں گرفتار ہو کر اپنی موت کا سامان کرے۔ وہ پر زور تعلیم دیتا ہے کہ نسل انسانی کی حفاظت کرو، اور رزق کے لئے خدا پر بھروسہ رکھو۔ آخر تمہیں رزق کون دے رہا ہے؟ جو خدا تمہیں رزق دے رہا ہے وہی خدا ان کو بھی رزق دے گا۔

اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (تحریم ۶)

”مسلمانو! اپنے آپ کو اور گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ“

ماں باپ پر اولاد کا سب سے بڑا حق یہی ہے کہ وہ انہیں تعلیم و تربیت سے آراستہ کریں، تاکہ وہ اپنی زندگی کا مقصد پہچان سکیں، ان کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا ہو، اور وہ آخرت کے عذاب سے بچنے کی فکر کر سکیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، باپ کا اپنی اولاد کے لئے بہترین تحفہ یہی ہے کہ وہ اسے بہترین تعلیم و تربیت سے آراستہ کرے۔

اولاد کے لئے دُعا

وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي۔ (احقاف ۱۵)

”اور میری اولاد میں صلاح و تقویٰ دے“

ایک مومن کی تمنا ہوتی ہے کہ اس کی اولاد نیک اٹھے اور اس کے ذریعے دنیا میں نیکی پھیلے۔ چنانچہ ایک مومن اس کے لئے ہر ممکن تدبیر بھی کرتا ہے، اور پھر خدا سے دعائیں بھی کرتا ہے۔ اس لئے کہ ہر کام خدا کی نصرت اور توفیق ہی پر موقوف ہے۔

اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک

فَكُنِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا۔ (مریم ۲۶)

”پس تم کھاؤ پیو اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔“

یہ تسکین و تشفی کا وہ کلمہ ہے جو حضرت عیسیٰ عی کی پیدائش کے وقت حضرت مریم سے کہا گیا تھا۔

اولاد کی آرزو کس لئے؟

قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا
وَلَمْ أَكُنْ أَبْدُ عَاذَكَ رَبِّ شَقِيًّا وَ إِنِّي خِفْتُ الْإِسْوَإِ مِنْ
وَدَائِي وَكَأَنْتَ أَمْرًا نِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا
يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا

(مریم ۴-۶)

”ذکر یا عننے نے عرض کیا، پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں، اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے، اور میں تجھ سے مانگ کر کبھی نامراد نہیں رہا۔ (پروردگار!) مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائی کا خوف ہے اور میری بیوی بائجھ ہے، تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث

عطا فرمادے، جو میری میراث بھی پائے اور آل یعقوب ۴ کی میراث بھی

پائے۔ اور پروردگار! اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنا۔

ایک مومن، اولاد کی آرزو کس لئے کرتا ہے؟ اس لئے نہیں کہ اُس کے بعد وہ جائیداد کا وارث بنے۔ اس کی جمع کی ہوئی دولت کا مالک ہو، بلکہ اُس کی دلی آرزو صرف یہ ہوتی ہے کہ میرے بعد میری اولاد بھی اس دین اور اس پیغام کی علمبردار بنے جس کے لئے میں نے اپنی زندگی کھپائی۔

رشتہ داروں کے حقوق

والدین کے بعد سب سے اہم حق رشتہ داروں کا ہے۔ آدمی کی پرورش و پرورش میں والدین کے بعد سب سے بڑا حصہ عزیز و اقارب ہی کا ہوتا ہے انہی کی شفقت و محبت، تعاون و ہمدردی اور حمایت و پشت پناہی میں آدمی پر ان پر چڑھتا ہے۔ پھر کوئی ذی شعور ان کے حقوق سے کیونکر غفلت برت سکتا ہے؟ ان کے حقوق خدا نے مقرر فرمائے ہیں، اور بار بار تاکید فرمائی ہے کہ ان سے بے نیازی نہ دکھاؤ۔ ان کے حقوق سے غفلت خدا کی نافرمانی اور معصیت ہے۔ اور ان کے حقوق کی نگہداشت دراصل خدا کی فرمانبرداری ہے۔

صلوٰۃ رحمی

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَنْسَاءَ وَالنَّسَاءَ (۱)

”اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا

حق مانگتے ہو، اور قرابت کے رشتوں کو بگاڑنے سے بچو۔
 خدا نے انسان کو اس کی خاندانی، معاشرتی اور تمدنی ضرورتوں میں دوسرے
 انسانوں کے تعاون، مدد اور سہارے کا محتاج بنایا ہے اور تعلقات کی قربت
 کے باعث وہ رشتہ داروں کے تعاون، مدد، اور ہمدردی کا اور زیادہ محتاج ہے۔
 اس کا تقاضا ہے کہ وہ ہمیشہ ان کے حقوق کی حفاظت کرے، صلہ رحمی کرے، اور کسی
 وقت بھی قطع رحم یا بدسلوکی کا معاملہ نہ کرے۔

رشتوں کو جوڑے رکھو

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ - (الرعد ۲۱)

”اور (اصحاب عقل) ان رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں، جن کو جوڑنے

کا اللہ نے حکم دیا ہے۔“

خدائی احکام پر ایمان لانے والے مومنین کی امتیازی خوبیوں میں سے ایک
 اہم خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے اسکان بھر ان تمام رشتوں کو جوڑے رکھنے کی کوشش
 کرتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور کبھی ان کو ٹوٹنے نہیں
 دیتے۔

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو

وَأْتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ - (بنی اسرائیل ۲۶)

”اور رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔“

یہاں حق سے مراد ہر قسم کا حق ہے۔ مالی، اخلاقی، معاشرتی، اس کا مطلب یہ
 ہے کہ رشتہ دار کا کوئی حق مارنا براہ راست خدا کے حکم سے سرتابی کرنا ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرو

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ-

(النحل ۹۰)

”اللہ عدل اور احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کا حکم دیتا

ہے۔“

عدل سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کے حقوق میں توازن و تناسب قائم کیا جائے، اور ہر ایک کو اس کا ٹھیک ٹھیک حق بے لاگ طریقہ پر دیا جائے۔ احسان یہ ہے کہ خود کم پر راضی رہ کر دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دیا جائے۔ اور ہر ایک کے ساتھ فیاضی اور فراخدلی کا معاملہ کیا جائے۔

عدل و احسان دو ایسی بنیادی خوبیاں ہیں جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستگی کا انحصار ہے۔ اس لئے اجتماعی زندگی کے تمام معاملات میں ان خوبیوں کی روح جاری و ساری رہنی چاہیے، اور ہر ایک کے ساتھ عدل و احسان کا معاملہ کرنا چاہیے۔ خاص کر رشتہ داروں کے معاملہ میں تو آدمی کو اور بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہیے، کیونکہ عام لوگوں کے مقابلہ میں وہ ہمارے سلوک، تعاون اور امداد کے زیادہ مستحق ہیں، ہمارے مالوں میں صرف ہمارا اور ہمارے بیوی بچوں کا حق ہی نہیں ہے بلکہ رشتہ داروں کا بھی حق ہے، اور خدا کا قانون ہمیں پابند کرتا ہے کہ ہم ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں پوری فراخدلی سے کام لیں، اور ان کا حق تسلیم کرتے ہوئے ان کی مدد کریں۔

رشتہ داروں سے محبت

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا السُّؤْدَةَ فِي الْقُرْبَىٰ -

(شوری ۲۳)

”اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس دعوت و تبلیغ کا اپنے لئے کوئی صلہ نہیں چاہتا، مگر یہ کہ قرابتداروں میں باہمی مودت و محبت ہونی چاہیے۔“

مطلب یہ ہے کہ نبیؐ اپنی کسی ذاتی غرض یا نفع کے لئے خدا کا پیغام نہیں پہنچا رہے ہیں، جس کا اعتراف خود تمہیں بھی ہے۔ بلکہ اس کے قبول کرنے میں درحقیقت تمہارا ہی بھلا ہے۔ یہ پیغام رشتہ داروں میں باہمی الفت و محبت کے جذبات اُبھارتا ہے، اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں فیاض اور فراخ دل بنا دیتا ہے، اور اس کی شہادت ان لوگوں کی زندگی میں لگم کوہل رہی ہے، جو اس حق کے پیروین گئے ہیں۔

تمہارے مال کے اولین مستحق رشتہ دار ہیں

قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَ

الْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْبَنِينَ السَّبِيلِ - (البقرہ ۲۱۵)

”کہہ دیجئے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اس کے مستحق (درجہ بدرجہ) ماں

باپ اور رشتہ دار ہیں، پھر یتیم، مسکین اور مسافر ہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ خدا کی خوشنودی کے لئے جو مال تم خرچ کرنا چاہو وہ خدا کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق خرچ کرو، ایسا نہ ہو کہ خیرات کے جذبہ میں غلامانہ

تم دوسروں پر تو خرچ کرنے لگو، اور ماں باپ اور رشتہ داروں کو بھول جاؤ، بلکہ تمہارا مال کے اولین مستحق یہی لوگ ہیں۔ خدا کی خوشنودی اسی میں ہے کہ پہلے ان پر خرچ کرو اور پھر دوسروں پر، خدا نے ہر ایک کا درجہ بدرجہ حق رکھا ہے۔

رشتہ داروں کی مالی امداد

وَاتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوَالْقُرْبَىٰ - (البقرہ ۱۷۶)

”زیکی یہ ہے کہ خدا کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں پر خرچ کرو۔“

دین کے چند مظاہر پر کار بند ہو جانا نیکی نہیں ہے، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی ایسا لاکر اس کے تقاضے پورے کرے۔ ایمان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آدمی خدا کی محبت میں اپنا محنت سے کمایا ہوا دلپسند مال رشتہ داروں پر خرچ کرے۔

میراث سے محروم عزیزوں کے ساتھ سلوک

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ

فَارْتَبِعُوا قَوْلَهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا (النساء ۸)

”اور جب میراث کی تقسیم کے وقت (ترکہ سے محروم) رشتہ دار اور یتیم

اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو، اور ان سے بھلے مانسوں کی

سی بات کرو۔“

میت کے وارثوں کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ اگر میراث کی تقسیم کے وقت

رشتہ دار و یتیم کے کچھ نادار لوگ آجائیں یا دوسرے غریب محتاج یا یتیم بچے اس گلے

موقع پر پہنچ جائیں تو ان کے ساتھ فیاضی اور عالی ظرفی کا معاملہ کرو۔ از روئے شرع میراث

میں ان کا حصہ نہیں ہے تو نہ سہی یوں ہی کچھ دے کر ان کمزوروں کو سہارا دو۔ اگر تمہارے

تہ اور کنبے کے لوگ ننگے بھوکے ہیں تو ان کا سنبھالنا تمہارا ہی کام ہے، ان کا دل
 میں لو، اور چھوٹے دل والے کم ظرف لوگوں کی طرح ان سے دل توڑ دینے والی
 میں نہ کہو۔

تہ دار اگر برابر بناؤ کریں تب بھی ان کی مدد کرو

وَلَا يَأْتِلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ
 وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا
 تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (النور ۲۲)

مذمت میں سے جو لوگ خوشحال ہیں، اور وسعت رکھتے ہیں، وہ اس بات کی
 قسم نہ کھا بیٹھیں کہ رشتہ داروں، محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے
 والوں کی مدد نہ کریں گے، ان کو چاہیے کہ عفو و درگزر سے کام لیں۔ کیا تم نہیں
 چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ معاف
 کرنے والا اور مہربانی فرمانے والا ہے۔“

حضرت مسطح رضا ایک نادار مہاجر تھے۔ یہ حضرت ابو بکر رضا کے بھانجے یا خالہ زاد
 بھائی تھے، حضرت ابو بکر رضا ہر طرح ان کی مدد فرماتے، اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتے۔
 حضرت عائشہ رضا کے خلاف جو طوفان منافقین نے اٹھایا اس میں جو چند مسلمان اپنی
 غلطی سے شریک ہو گئے تھے، ان میں ایک حضرت مسطح رضا تھے اس واقعہ سے متاثر
 ہو کر حضرت ابو بکر رضا نے قسم کھالی کہ آئندہ میں مسطح رضا کی ہرگز مدد نہ کروں گا، انہوں نے
 تمام پچھلے احسانات کو بھی بھلا دیا، اور رشتہ کا بھی ذرا پاس و لحاظ نہ کیا، ممکن ہے اس
 طرح کے کچھ اور واقعات بھی پیش آئے ہوں۔ بہر حال اس موقع کے لئے اللہ تعالیٰ

نے یہ ہدایت فرمائی کہ عفو و درگزر سے کام لو اور عالی ظرفی کا ثبوت دو۔ اگر کوئی رشتہ
 رشتہ کا لحاظ نہ بھی نہ کرے تب بھی تم ان کے ساتھ بھلائی کرو۔ تم رشتہ داروں کے ساتھ اس
 سلوک کرو گے تو اللہ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا۔ حضرت ابو بکر رضی
 جب یہ سنا۔ اَلَا تُحِبُّونَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ خدا تمہیں بخش
 دے؟ تو حضرت فوراً پکار اٹھے۔ بَلَىٰ يَا رَبَّنَا اِنَّا نَحِبُّهُ۔ ہاں ہاں پروردگار! کہہ
 نہیں، ہم ضرور چاہتے ہیں کہ تو ہمیں بخش دے۔“

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
 علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جو شخص رشتہ داروں کے ساتھ اس لئے سلوک کرتا ہے کہ وہ بھی
 اس کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، تو یہ کوئی اونچے درجہ کی صلہ رحمی نہیں ہے، کمال درجہ
 کی صلہ رحمی تو یہ ہے کہ جب دوسرے رشتہ دار اس سے اپنا تعلق توڑیں تو یہ اس وقت
 بھی ان سے تعلق جوڑے رکھے، اور ان کے حقوق ادا کرتا رہے۔“

یتیموں کے حقوق

یتیم انسانی سوسائٹی کا وہ کمزور ترین فرد ہے جو اپنی پرورش و پرورش میں معاش
 کے دوسرے افراد کا انتہائی ضرورت مند ہے، اور قرآن نے مسلمانوں کو پابند بنایا ہے
 کہ وہ ان کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کریں، اور انسانیت کے اس سرمایہ کو
 ضائع نہ ہونے دیں۔

یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرو

وَالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِئَاتِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى۔ (النساء، ۳۶)

”اور ماں باپ، رشتہ دار اور یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔“
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”مسلمانوں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں
 زنی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بھلائی کی جائے۔ اور مسلمانوں کا سب سے بُرا گھر وہ ہے
 جس میں یتیم ہو، اور اُس کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا جائے۔“
 ن سے اولاد جیسا برتاؤ کرو

وَلْيَحْشَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ضِعْفًا خَافُوا
 عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (النساء ۹)

”اور لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے
 بے بس نٹھے نٹھے بچے چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے بارے
 میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے۔ پس ضروری ہے کہ وہ خدا سے ڈریں، اور
 معقول بات کریں۔“

مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہر کوئی اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کے بعد اس
 کی اولاد کے ساتھ کوئی سختی اور زیادتی کی جائے، اسی طرح یتیم بھی کسی کے بچے ہیں۔
 اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارے بچوں کے ساتھ کوئی برائی کی جائے، تو یتیموں کے ساتھ
 بھی نرمی اور بھلائی کا ایسا ہی سلوک کرو، جیسا تم چاہتے ہو، کہ تمہارے بچوں کے
 ساتھ دوسرے کریں۔ تمہیں چاہیے کہ یتیموں کے ساتھ نہایت شفقت و نرمی کی
 گفتگو کرو۔ کوئی ایسی بات نہ کہو جس سے ان کے ٹوٹے ہوئے دل کو ٹھیس
 پہنچے۔

ان کو بھڑکی نہ دو

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْهُ (الضحیٰ)

”اور یتیم کو بھڑکی نہ دو، بلکہ اس کی دلجوئی کرو۔“

ان پر اپنا مال خرچ کرو

قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَ

الْيَتَامَىٰ - (البقرہ ۲۱۵)

”کہہ دیجئے، جو مال تم خرچ کرتے ہو، اس کے مستحق والدین ہیں (پہرا) رشتہ دار (اور پہرا) یتیم بچے۔“

یعنی اپنے مال میں ان کا حق سمجھو، اور ان پر خرچ کر کے احسان نہ جتاؤ۔
بلکہ یوں سمجھو کہ تم نے حقدار کا حق ادا کر دیا۔
ان کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ

يَبْلُغَ أَشُدَّهُ - (الانعام ۱۵۲)

”اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ مگر ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو،

یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے۔“

مطلب یہ ہے کہ یتیم کے مال سے اپنی ذات کے لئے فائدہ اٹھانے
کی ہرگز نہ سوچو۔ ہاں یتیم کی خیر خواہی اور نفع کے لئے نیک نیتی کے ساتھ ان کا
مال ہاتھ میں لے سکتے ہو۔

ان کا مال کھانا جہنم کی آگ سے پیٹ بھرنے ہے
 إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ

فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (النساء: ۱۰)

”جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ

بھرتے ہیں۔ وہ لانا جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔“

ان کے اچھے مال سے بُرا مال نہ بدل لو
 وَأَتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَبِيثَاتِ بِالطَّيِّبِ

(النساء: ۲)

”اور یتیموں کا مال انہی کو دو۔ اور ان کے اچھے مال اپنے بُرے مالوں

سے نہ بدل لو۔“

یعنی یتیموں کے مال انہی کے مفاد میں لگاؤ، اور یہ نہ کرو کہ اپنی بُری چیزیں

ان کے حوالے کر کے، ان کا اچھا مال ہتھیانے لگو۔

شرکت کے بہانے ان کا مال نہ کھاؤ

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا

(النساء: ۲)

”اور ان کے ل اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ۔ یہ بہت بُرا

گناہ ہے۔“

رہائش اور مال مشترک کے کھاتے ہو

وَإِنْ تَخَالَطَوْهُمْ فَإِنْ تَخَالَطَوْكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ

الْمُصْلِحِ ط وَكَوْشَاءَ اللّٰهُ لَاعْتَنٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ۝

(البقرہ ۲۲۰)

» اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر وہ تمہارے بھائی بن رہی تو ہیں، برائی کرنے والے اور بھلائی کرنے والے، دونوں کا حال اللہ پر روشن ہے، اگر اللہ چاہتا تو اس معاملہ میں تم پر سختی کرتا، مگر وہ صاحب اختیار ہونے کے ساتھ صاحب حکمت بھی ہے «

ان کا مال بقدر ضرورت خرچ کرو

وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ اِمْرًا فَاَوْبِدًا اِنَّ يَّكْبُرُوْا۔ (النساء ۶)

» اور ایسا کبھی نہ کرنا کہ حد انصاف سے تجاوز کر کے اس خوف سے ان

کے مال جلدی جلدی کھا جاو کہ وہ بڑے ہو کر اپنے حق کا مطالبہ کریں گے «

مالدار ان کے مال سے حق الخدمت نہ لے

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ۔ (النساء ۶)

» اور خوشحال آدمی کو ان کے مال سے پرہیز کرنا چاہیے «

ان کی سرپرستی اور مال کی حفاظت میں بہر حال یتیم کے سرپرست کا وقت

صرف ہو گا۔ لیکن اگر سرپرست آسودہ حال ہے تو پھر لٹریہ خدمت انجام دے۔

یتیم کے مال سے اس کا معاوضہ ہرگز نہ لے۔

نادار حق الخدمت لے سکتا ہے

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط (النساء ۶)

”اور جو غریب ہو وہ معروف و مستور کے مطابق کھائے“

یعنی نادار آدمی حق الخیرت لے سکتا ہے، لیکن اس کو دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ ایک تو یہ کہ وہ اتنا واجبی ہو کہ خدا اور بندے دونوں کی نظر میں سنا ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ پوری چھپے نہ لے بلکہ کھلم کھلا لے۔ اور اس کا حساب رکھے۔ ان کے معاملہ میں انصاف پر قائم رہو

وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ

اللَّهُ كَانَ بِهِ عَلِيمًا (النساء، ۱۲۰)

”اور یہ کہ یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر قائم رہو، اور جو بھلائی تم

کر دو گے وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے گی“

ان کو سدھارنے کی کوشش کرو

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ (البقرة، ۲۲۰)

”اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟“

ان کو جواب دیجئے کہ جس طرز عمل میں ان کا سدھار ہو وہی بہتر ہے“

یعنی یتیموں کے ساتھ جو طرز عمل بھی تم اختیار کرو پیش نظر یہ رہے کہ ان کا بھلا ہو،

ان کا مال اپنے مال کے ساتھ شریک کر کے رہنا سہنا، کھانا پینا، مشترک لے کھو

یا الگ، بہر حال ان کو سدھارنے اور مالی فائدہ پہنچانے کی کوشش کرو،

اور ان کے ساتھ وہ طرز عمل رکھو جس میں ان کی بہتری ہو۔

نا سمجھی کے زمانہ تک مال ان کو نہ دو

وَلَا تُوْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا

وَأَدْرُسُ قُوَّهُمْ فِيهَا وَكَسُوَّهُمْ وَقَوْلُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا

(النساء ۵)

”اور مال جسے اللہ نے تمہارے لئے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے

نا سمجھ بچوں کے حوالے نہ کر دو۔ البتہ ان کے کھانے، کپڑے کا انتظام کرتے

رہو۔ اور انہیں بھلائی کی بات سمجھاتے رہو۔“

مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے، اس لئے

جب تک عاقل و بالغ نہ ہو جائیں، اور ان میں مال کی حفاظت کی صلاحیت پیدا

نہ ہو ان کے قبضہ میں دے کر ان کی طرف سے بے پروا نہ ہو جاؤ، بلکہ مال کو اپنے

قبضہ میں رکھو، البتہ اس سے ان کے کھانے کپڑے کا انتظام کرو، اور انہیں

سمجھاتے رہو کہ تمہارے ساتھ یہ معاملہ تمہاری ہی خیر خواہی کے لئے کیا جا رہا ہے،

یہ مال تمہارا ہی ہے، اور تمہارے ہی حوالے کیا جائے گا۔

عقل و شعور آنے پر ان کے مال ان کے حوالے کر دو

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ

رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ (النساء ۶)

”اور یتیموں کا برابر جائزہ لیتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح کی شعوری

عمر کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان کے اندر اہلیت پاؤ تو ان کے مال ان کے

حوالے کر دو۔“

یعنی یتیم بچوں پر برابر نگاہ رکھو کہ وہ معاملات کی اونچ نیچ کو سمجھنے لگیں اور اپنے

فائدے اور نقصان کا اندازہ کر سکیں۔ اس کیلئے ان کو برابر جانچتے رہو، پھر جب

یہ بلوغ کی عمر کو پہنچیں، اور تمہیں محسوس ہو کہ اب ان میں اپنے معاملات کو خود اپنی ذمہ داری پر چلانے کی اہلیت و صلاحیت پیدا ہو گئی ہے، تو اطمینان کے ساتھ ان کے مال ان کے قبضے میں دے دو۔

گواہوں کی موجودگی میں مال حوالے کرو

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى
بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (النساء ۶)

”پھر جب مال ان کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو ان پر گواہ بنا لو اور

حساب لینے کے لئے اللہ کافی ہے۔“

یتیم کا مال حوالہ کرتے وقت گواہوں کی موجودگی میں پوری تفصیل سمجھا دو تاکہ بعد میں کوئی اختلاف رونما نہ ہو، لیکن اس بات کا بہر حال ہر وقت خیال رکھو کہ یتیم یا شاہدوں کا اطمینان کوئی آخری بات نہیں ہے، اصل معاملہ اس خدا سے ہے جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، اور جو حساب میں انتہائی جزر و فرس ہے۔ یتیم کے معاملہ میں خدا کا تصور ہی سدھار کی ضمانت ہے۔

انصاف نہ کر سکنے پر یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کرو

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ
مِنَ النِّسَاءِ - (النساء ۳)

”اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے، تو

جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر یتیم لڑکیاں کسی وجہ سے تمہیں پسند نہ ہوں تو

محض اس وجہ سے ان سے نکاح نہ کر لو کہ ان کا مال تمہارے قبضہ میں رہے گا،
 یا مہر کم سے کم دینا پڑے گا، یا ہم جو بھی سلوک کریں گے کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا
 صحیح بات یہ ہے کہ ایسی صورت میں تم ان بچیوں کا نکاح دوسرے لوگوں
 سے کر دو۔ اور ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔

اہل حاجت کے ساتھ سلوک

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ۔

(النساء ۳۶)

”اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو، اور (اسی طرح) یتیم داروں،

یتیموں اور عاجز مندوں کے ساتھ“

ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ سوسائٹی کے ناداروں، عاجز مندوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کرے، ان کا سہارا بنے، اور ان کی ضرورتوں میں کام آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرے گا، خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا، خدا قیامت میں اس کی مصیبت دور کرے گا“

مومن کے مال میں ان کا حق ہے

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْضُورِ۔ (الذاریات ۱۹)

”اور ان کے مال میں حق ہے مانگنے والے کا بھی اور نہ مانگنے والے کا بھی“

محروم سے مراد وہ نادار اور شکستہ حال شریف لوگ ہیں جو انتہائی احتیاج کے باوجود بھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔

سائل کو نہ جھڑکو

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ (النحیٰ ۹) ”اور مانگنے والے کو جھڑکو نہیں“

مسکین کو نہ دینے کی ہولناک سزا

خُدُوهُ فَغُلُّوهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۝ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا
 سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۝ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا
 يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَلَئِنَّ لَهُ الْيَوْمَ هَمَّتْ حَبِيمَةٌ ۝ وَلَا
 نَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ۝ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۝ (الحاقہ ۳۰-۳۴)

پکڑو اس کو، اور اس کے گلے میں طوق ڈالو، پھر ڈال دو اس کو آگ کے
 گڑھے میں، اور جکڑ ڈالو اس کو ستر گز لمبی زنجیر میں، یہ وہ مجرم ہے جو اللہ عظیم
 پر ایمان نہ لایا تھا۔ اور فقیر و مسکین کو کھلانے کے لئے کسی کو زنجیر نہ دیتا تھا۔
 نہ خود کھلاتا اور نہ دوسروں کو آمادہ کرتا تھا) اب آج اس کا کوئی حمایتی اور دوست
 نہیں (جو اس کو عذاب سے بچاسکے) اور آج اس کے کھانے کے لئے زنجیروں
 کے دھوون کے سوا کچھ نہیں ہے، جس کو اس قسم کے مجرم ہی کھاتے ہیں (جو
 رسول کے صاف صاف بتانے کے باوجود زندگی بھر اسی کے کھانے کی مشق
 بہم پہنچاتے رہے) ۝

فقیروں سے مال بچانے کی عبرتناک داستان

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لِيَصْرِمْنَهَا
 مُصْبِحِينَ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهِمَ طَائِفٌ مِنْ رَبِّكَ وَهُمْ
 نَائِمُونَ ۝ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝ فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ ۝ آتِ
 أَعْدَاءَنَا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۝
 إِلَّا يَدْخُلْنَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ۝ وَغَدَاؤُنَا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَصَالِتُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ (القلم ۱۷-۲۰)

”ہم نے انہیں اسی طرح آزما یا جس طرح ”باغ والوں“ کو آزما یا تھا۔ جب انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہوتے ہم اس کے سارے پھل لازماً توڑ لیں گے، اور انشاء اللہ نہ کہا، سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ آپ کے رب کی طرف سے رراتوں رات، اس پر ایک آفت پھرتی۔ اور وہ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی برہاد کھیتی۔ جب صبح ہونے لگی تو وہ ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر تمہیں کھیتی کا ٹنی ہے تو سویرے سویرے کھیتی پر جا پہنچو۔ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے کہتے جاتے تھے کہ دیکھو آج یہاں تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے، اور سویرے ہی جا پہنچے۔ گویا کھیتی اُن کے بس میں ہے۔ جب ان کی نظر باغ پر پڑی تو رویران دیکھ کر، کہنے لگے، ہم یقیناً راستہ بھول گئے، انہیں، بلکہ ہماری تو قسمت ہی پھوٹ گئی۔“

”انشاء اللہ نہ کہا“ یعنی انہوں نے اپنی تدبیروں ہی کو سب کچھ سمجھ لیا تھا، اور خدا کی مشیت و ارادے سے بالکل ہی آنکھیں بند کر لی تھیں، حالانکہ انسانی ارادے اور تدبیروں کوئی چیز ہی نہیں ہیں، اگر خدا کا ارادہ اور مشیت ساتھ نہ دے۔

حاجتمندوں سے غفلت روز جزا کی تکذیب کا نتیجہ ہے

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۚ فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ

وَلَا يَحِصُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْيَتِيمِ ۝ (الماعون)

”بھلا تم نے اس کو بھی دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے؟ یہ وہی دنیا پرست

ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، اور فقیر کو کھلانے کے لئے آمادہ نہیں کرتا ہے۔
یعنی نہ خود کو آمادہ کرتا ہے، اور نہ سوسائٹی کے دوسرے آسودہ حال
لوگوں کو آمادہ کرتا ہے۔۔۔۔۔ ایسا شخص دراصل روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔

پڑوسی اور ساتھی کے ساتھ حسن سلوک

وَالْبُحَارِذِيُّ الْفُرْبِيُّ وَالْجَارُ الْجُنُبِيُّ وَالصَّحْبِيُّ بِالْجُنُبِ۔

(النساء ۳۶)

”زاور نیک برتاؤ کرو (پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے اور

پہلو کے ساتھی سے)“

پڑوسی مسلم بھی ہو سکتا ہے، اور غیر مسلم بھی، رشتہ دار بھی ہو سکتا ہے اور اجنبی
بھی، دُور کا بھی ہو سکتا ہے اور دیوار تلے کا بھی۔ اصولی طور پر تو سب ہی کے
ساتھ نیک برتاؤ کی تاکید کی گئی ہے۔ لیکن احادیث کی تشریحات سے معلوم ہوتا
ہے کہ ان کی حیثیتوں کے لحاظ سے اُن کے حقوق کی نوعیتیں بھی مختلف ہیں۔
مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی پڑوسی حسن سلوک کے مستحق ہیں، لیکن جو پڑوسی دولت
اسلام سے بہرہ ور ہے، اس کا ایک حق اور بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ پڑوسی ہونے
کے ساتھ ساتھ دینی رفیق بھی ہے۔ اسی طرح اگر پڑوسی رشتہ دار بھی ہو تو اجنبی
کے مقابلہ میں اس کا حق کچھ زائد ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کی تاکید
بھی ہے۔ پھر دیوار تلے کا پڑوسی، جس کا دروازہ دوسرے کے مقابلہ میں قریب
ہو، وہ اپنے قریب کی وجہ سے دُور کے پڑوسی سے زیادہ سلوک کا مستحق
قرار پاتا ہے۔

پہلو کے ساتھی سے مراد ہم نشین دوست بھی ہے، اور وہ ساتھی بھی جس کا کہیں کسی وقت ساتھ ہو جائے۔ راستہ چلتے ساتھ ہو جائے، کاروباری معاملہ میں ساتھ ہو جائے، سفر میں ساتھ ہو جائے۔ یہ وقتی ہمسائیگی بھی ہر شریف اور مہذب آدمی پر ایک حق حائد کر دیتی ہے، اور اس وقتی رفاقت کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے، اور کوشش کی جائے کہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔

مسافر اور مہمان کے ساتھ نیک برتاؤ

وَابْنِ السَّبِيلِ - (النساء ۳۶)

”اور نیک برتاؤ کرو مسافر کے ساتھ“

مسافر یا مہمان جو اپنے گھر سے دور ہو، اور ہمارے پاس آکر ٹھہرے اس کی ضرورتوں کا خیال اور اس کے ساتھ نیک برتاؤ بھی ضروری ہے۔
غلام اور خدمتگار کے ساتھ سلوک

وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ - (النساء ۳۶)

”اور نیک برتاؤ کرو لونڈی غلاموں سے“

جس طرح لونڈی غلاموں سے نیک برتاؤ کی تاکید ہے۔ یہی حکم عام خدمتگاروں اور ملازموں کا بھی ہوگا۔ ان کے ساتھ مہربانی اور سلوک بھی ضروری ہے، اور اس کے لئے بھی احادیث میں تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں۔

۲۱۰

باب سوم

معاملات

خدا نے انسان کے لئے وہ تمام ہی چیزیں حلال رکھی ہیں جو پاک ہیں، اور انسانی اخلاق پر اچھے اثرات ڈالنے والی ہیں۔ اور صرف انہی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جو اپنے اخلاقی نتائج کے اعتبار سے انسان کے لئے ناپسندیدہ ہیں اور طبعاً ناپاک ہیں۔ آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی علامات واضح کرتے ہوئے بھی قرآن نے وحیت کی ہے کہ ”وہ ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کریں گے، اور ناپاک چیزیں حرام فرمائیں گے“

معاملات

انسانی معاملات میں جائز و ناجائز کے حدود مقرر کرنا، اور حلال و حرام کے احکام دینا خدا ہی کا حق ہے، اور اس حق میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ توحید کا ایک پہلو یہ ہے کہ عبادت خالص خدا کی ہو۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ معاملات میں صرف اسی کے احکام و قوانین کو تسلیم کیا جائے۔ قرآن نہ صرف یہ کہ جملہ معاملات کے لئے واضح قوانین دیتا ہے، بلکہ ان کی پیروی کو ایمان کی کسوٹی قرار دیتا ہے۔

قانون حلال و حرام خدا ہی کا حق ہے

اتَّخَذُوا أَحْيَارَهُمْ وَرُهَيْبًا لَهُمْ أَزْيَاطًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَ
النَّسِيطِ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا
لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ٥ (التوبہ ۳۱)

”انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے،

اور اسی طرح مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھی۔ حالانکہ ان کو جو حکم دیا گیا تھا وہ

اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ ایک ہی خدا کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی بندگی

کے لائق نہیں۔ پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔“

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہما نے کہا، جب اسلام لائے تو آپ نے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سوال یہ بھی کیا کہ یا رسول اللہ! عیسائیوں کے

بارے میں یہ جو الزام ہے کہ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا رب بنا لیا تھا، اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا یہ جس کو حلال کہہ دیتے تم حلال مان لیتے، جس کو حرام کہہ دیتے تم حرام مان لیتے۔ بس یہی ان کو اپنا رب بنا لیتا ہے۔ یعنی حلال و حرام کا حکم دینا رب ہی کا حق ہے، اور کسی دوسرے کو یہ حق دینا اس کو رب قرار دینا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ

(المائدہ ۸۷)

”اے مومنو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں

حرام نہ کر لو“

یعنی حلال و حرام کے مختار تم خود نہ بنو، حلال وہی ہے جسے خدا نے حلال قرار دیا ہے، اور حرام وہی ہے جسے خدا حرام قرار دے۔

قرآن کا نظریہ حلال و حرام

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ

(المائدہ ۴۷)

”لوگ آپ سے معلوم کرتے ہیں کہ کیا کیا ان کے لئے حلال کیا گیا ہے؟

ان سے فرما دیجئے کہ تمہارے لئے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں“

یعنی خدا نے انسان کے لئے وہ تمام ہی چیزیں حلال رکھی ہیں جو پاک ہیں۔

اور انسانی اخلاق پر اچھے اثرات ڈالنے والی ہیں۔ اور صرف انہی چیزوں کو حرام

قرار دیا ہے جو اپنے اخلاقی نتائج کے اعتبار سے انسان کے لئے ناپسندیدہ

ہیں، اور طبعاً ناپاک ہیں۔ آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی علامات واضح کرتے ہوئے بھی قرآن نے وضاحت کی ہے کہ وہ ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کریں گے اور ناپاک چیزیں حرام فرمائیں گے۔

حرام جانور

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْبَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا
 أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْتُوذَةُ وَالْبُتْرِيَّةُ
 وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ
 عَلَى النَّصَبِ - (المائدہ ۳۸)

”تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے
 سوا کسی اور نام پر ذبح کیا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹ کر مرتے، اور
 وہ جو ٹکر کھا کر مرتے، اور وہ جو بلندی سے گر کر مرتے، اور وہ
 بھی حرام ہے جسے درندے پھاڑ کر کھا جائیں، سوائے اس کے جس
 کو تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا۔ اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔“

بے حیائی کے کام

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ وَ
 الْأَلْبَانِ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ - (الاعراف ۳۳)

”اے رسول! کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو صرف یہ چیزیں حرام
 ٹھہرائی ہیں، بے حیائی کے سارے کام خواہ کھلے طور پر کئے جائیں، یا
 چھپا کر کئے جائیں، گناہ اور ناحق کی زیادتی۔“

زنا بدترین جرم

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَاتِ كَانَفَا حِشَّةً وَسَاءَ سَبِيلًا (نبی امراہیلؑ)

”اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سراسر بے حیائی

ہے، اور بدترین راستہ ہے۔“

”زنا کے قریب نہ پھٹکو“ اس مؤثر انداز بیان کا مطلب یہ ہے کہ بے حیائی کے ان تمام کاموں سے سختی کے ساتھ بچو، جو شہوانی جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے اور زنا کے قریب لے جانے والے ہوں۔ فحش لٹریچر، ناچ گانے، سنگی تصویریں، مردوزن کا آزادانہ اختلاط، شراب، سینما۔ یہ سب زنا کے محرکات اور اسباب ہیں۔ — زنا سے بچنے کے لئے لازمی ہے کہ آدمی ان چیزوں سے بھی دور رہے۔

پھر اس حکم کے مخاطب افراد بھی ہیں اور مسلم معاشرہ بھی۔ معاشرہ کا یہ فرض ہے کہ وہ تعلیم و تربیت اور اجتماعی قوت کے ذریعے زنا کے تمام محرکات اور اسباب کا سدباب کرے، اور کسی بھی ایسی حرکت کو معاشرہ میں برداشت نہ کرے جو اخلاقی آوارگی کا سبب بنتی ہو۔

زنا کی سزا

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ
وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ

(النور ۲۴)

”زانی عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو،
اور خدا کے دین کے معاملے میں ان پر ترس کھانے کا جذبہ تم کو دامنگیر نہ ہو،
اگر تم خدا اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں
کا ایک گروہ موجود رہے۔“

شراب اور خجوا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ
وَالْأَشْرَارُ أَمْْرٌ رَجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ
(المائدہ ۹۰)

”اے مومنو! شراب اور خجوا اور آستانے اور پانسے یہ سب

گندے شیطانی کام ہیں، ان سے بچے رہو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔“

یہ شراب کی حرمت کا آخری اور قطعی حکم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”خدا نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اور شراب پینے والے پر، پلانے والے پر،
اور بیچنے والے پر، اور خریدنے والے پر، اور کشید کرنے والے پر اور ڈھو کر لے
جانے والے پر، اور اس شخص پر جس کے لئے ڈھو کر لے جانی گئی ہو۔“

قتل و غارت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا

اے سنتِ رسول کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں یہ مذکور سزا صرف اس زانی یا زانیہ کی ہے جو
غیر شادی شدہ ہو۔ شادی شدہ مسلمان اگر اس جرم کا ارتکاب کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا۔
تفصیل کے لئے حدیث اور فقہ کا مطالعہ کیجئے۔

أَنْ تَكُونَ بَيْعَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ طَرِيقًا
اللَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (النساء ۲۹)

”مومنو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔“

ہاں یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارتی لین دین ہو، اور آپس میں ایک دوسرے

کو قتل نہ کرو۔ یقین مانو کہ خدا تمہارے اوپر مہربان ہے۔“

باطل طریقوں سے مراد چوری، دغا، فریب، رشوت، سود، لوٹ، مارا وغیرہ

تمام ہی وہ طریقے ہیں جن میں باہمی رضامندی اور مفاد و منافع کے معروف طریقوں

کے بغیر دوسرے کے مال پر قبضہ کیا جائے یا اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، ایک دوسرے کو قتل کرنا دراصل خود کو قتل کرنا

ہے۔ جس کا انجام دنیا میں مسلمانوں کی قومی ہلاکت، تمدنی تباہی اور اخلاقی زوال ہے،

اور آخرت میں بھڑکتے جہنم کی سخت ترین سزا ہے۔

چوری کی سزا

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا

نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (المائدہ ۳۸)

”اور چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت، ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔“

یہ ان کے کئے ہوئے جرم کا بدلہ ہے، اور خدا کی طرف سے عبرتناک سزا۔

اور خدا غالب و حکمت والا ہے۔“

یعنی چور کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے، اور امت کا اس پر انفاق ہے کہ پہلی

چوری میں سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لے مزید تفصیلات کے لئے فقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ

عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ (المائدہ ۳۹)

”پھر جو شخص ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے، اور اپنی اصلاح کر لے تو

خدا کی نظر رحمت اس پر پھر لوٹ آئے گی۔ اور وہ بہت درگزر کرنے والا،

اور بڑا ہی مہربان ہے۔“

ہاتھ کاٹنے کی سزا بلاشبہ بڑی ہی سخت اور عبرتناک سزا ہے لیکن چوری کے گھناؤنے جذبات اور اثرات سے دل کو پاک کرنے کے لئے محض یہ سزا ہی کافی نہیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسا شخص اپنے کئے پر شرمسار ہو۔ اور دل سے توبہ کر کے ہمیشہ کے لئے اس جرم سے باز رہنے کا عزم کرے، اور اپنی زندگی کو سنوارنے میں لگ جائے۔ پھر خدا بھی اس کو اپنی رحمت کے سائے میں لے لے گا، اور اس کے لئے نیکی کی راہ اپنی رحمت سے آسان بنا دے گا۔

قتل سے باز رہو

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ - (الاعراف ۱۵۲)

”اور اس نفس کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے

ساتھ۔“

انسانی نفس کو خدا نے محترم بنایا ہے، اور اس کو صرف انہی صورتوں میں ہلاک کرنا صحیح ہوگا جن صورتوں میں ہلاک کرنے کی خدا نے اجازت دی ہے۔

پھر نہ صرف یہ کہ دوسرے کے نفس کو قتل کرنا ہی حرام ہے، بلکہ خود اپنے نفس کو ہلاک کرنا اور خود کشی کرنا بھی بدترین جرم ہے۔

در اصل انسانی جان خدا ہی کی ملکیت ہے، اور اس نے اس کو محترم قرار دیا ہے۔ اس کو ہلاک کرنا تو درکنار انسان کے لئے تو یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اس کو بے جا استعمال کرے۔ جان اور اس کی قوتیں دراصل انسان کے پاس ایک امانت ہیں۔

ایک قتل ساری انسانیت کا قتل ہے

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ
جَمِيعًا (المائدہ: ۳۲)

»جس شخص نے کسی کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے ناحق قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی کو زندگی بخشی، اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش

دی»

ایک شخص اگر کسی کو ناحق قتل کرتا ہے تو وہ دراصل انسانی جان کے احترام اور جذبہ ہمدردی کو ختم کرتا ہے، اور یہ واقعی پوری نوع انسانی کا قتل ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ایک شخص کی جان بچاتا ہے تو وہ احترام جان اور انسانی ہمدردی کے جذبہ کو زندہ کرتا ہے۔ اور یہ پوری انسانیت کی حیات و بقا کا کام ہے۔

مومن کا کام نہیں کہ مومن کو قتل کرے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا - (النساء ۹۲)

”اور کسی مومن کا کام نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے“

قتل مومن کی ہولناک سزا

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَبِدًا فَقَدْ جَاءَ بِهِ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا

وَعَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (النسار ۹۳)

”اور جو شخص جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے“

جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔

اور اللہ نے اس کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے“

قصاص

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ

الْحُرِّ بِالنَّحْرِ وَالْعَبْدِ بِالعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ - (البقرہ ۱۷۸)

”مومنو! مقتولوں کے معاملے میں تمہارے لئے قصاص کا حکم لکھ دیا

گیا۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے۔ غلام قاتل

ہو تو غلام قاتل کیا جائے اور عورت ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا

جائے“

قصاص کا مطلب یہ ہے کہ خون کے بدلے خون لیا جائے، اور قاتل کو

قتل کی سزا دی جائے۔ البتہ قصاص میں مساوات اور اجتماعی عدل کا پورا پورا

اہتمام کیا جائے۔ بدلہ لینے میں ہر انسان دوسرے انسان کے برابر ہے۔

ایک جان کے بدلے ایک ہی جان لی جائے چاہے کوئی جان معاشرے میں
 کتنی ہی قدر و عظمت اور اہمیت رکھتی ہو۔
 قصاص کی معافی

فَمَنْ عَفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَأَتِيَاءٌ بِالْبَعْرِودِ وَأَدَاءٌ
 إِلَيْهِ بِالْحَسَانِ مِثْلَ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّنْ رَبِّكَمُ وَرَحْمَةٌ مِّنْ
 اعْتَدَى بِعَدَاةِكُمْ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرہ ۱۷۸)

البتہ اگر کسی قاتل کو اپنے (انسانی) بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل
 جائے تو معروف دستور کے مطابق خونہیا کا تصفیہ ہونا چاہیے، اور
 قاتل کے لئے لازم ہے کہ وہ خوبی کے ساتھ خونہیا ادا کرے، یہ تمہارے
 رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اب اس کے بعد بھی جو کوئی زیادتی
 کرے تو اس کے لئے دردناک سزا ہے۔

یعنی مقتول کے وارثوں کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ قاتل کو معاف کر دیں
 اور اس کی جان لینے کے بجائے خوں بہا لے کر اس سے راضی نامہ کر لیں۔ ایسے
 حالات بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ راضی نامہ اخلاقی حیثیت سے بھی اور بعض دوسری
 حیثیتوں سے بھی مقتول کے خاندان کے لئے زیادہ مفید، اور قرین مصلحت
 ہو۔ قرآن نے اس راضی نامہ کو معاشرے کے حق میں سہولت اور رحمت قرار
 دیا ہے، اور قاتل کو مقتول کے وارثوں کا انسانی بھائی کہہ کر نہایت لطیف
 انداز میں انتقام کے غصے کو پی جانے اور نرمی اختیار کرنے کی سفارش کی ہے۔

قصاص کی حکمت

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوَةٌ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(البقرہ ۱۷۹)

”اور اے عقل و خرد والو! قصاص میں تمہاری زندگی ہے، تاکہ تم

(خوہری سے) بچتے رہو۔“

قتل کے ہولناک نتائج سے معاشرے کو بچانے، خوہری کے رجحانات کو مٹانے، اور انسانی جان کا احترام پیدا کرنے کے لئے قصاص کا قانون سراسر حکمت اور انصاف کا قانون ہے۔ غور کیجئے تو یہ ایک قتل نہیں ہے، بلکہ نتائج کے اعتبار سے درحقیقت انسانی معاشرے کی زندگی ہے۔

انفرادی ملکیت کا تحفظ

وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدۡلُوْا بِهَا اِلَى
الْحُكَمٰمِ لِتَأْكُلُوْا فَرِیۡقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثْمِ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ ۱۸۸)

” (مسلمانو! تم نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے کھاؤ، اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لئے پیش کرو کہ تمہیں دوسرے کے مال کا کوئی حصہ جان بوجھ کر ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔“

قرآن کے نزدیک ہر شخص کی دولت، جائداد اور ملکیت پوری طرح محفوظ ہے۔ اور کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اُسے انفرادی ملکیت کے اس حق سے محروم کر

دے۔ دھوکہ، دھونس، دھاندلی، خیانت، چوری، رہزنی، جوا، سود وغیرہ سے دوسروں کا مال ہتھیانا، یا حاکموں کو رشوتوں سے پرچا کر یا عدالتوں میں جھوٹی سفارشیں، جھوٹی گواہیاں اور جھوٹے مقدمات لے جا کر دوسروں کے مال پر قبضہ جمانا بدترین جرم اور سراسر حرام خوردی ہے۔ اسی طرح کسی اقتدار کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ جبر و اکراہ یا قانونی دباؤ سے کسی کو حق ملکیت سے محروم کر کے اس کی ملکیت کو سرکاری ملکیت میں تبدیل کر لے۔

نبی کا ارشاد ہے ”میں بہر حال ایک انسان ہی تو ہوں، ہو سکتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ، اور تم میں سے ایک فریق دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ چرب زبان ہو، اور اس کے دلائل سن کر میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، مگر یہ سمجھ لو کہ اگر اس طرح اپنے کسی بھائی کے حق میں سے تم میرے فیصلہ کے ذریعے کچھ حاصل کرو گے تو دراصل تم دوزخ کا ایک ٹکڑا حاصل کرو گے“

سود کی حرمت

وَاحْلَ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الزَّبَا - (البقرہ ۲۷۵)

”اور خدا نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَ

اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آل عمران ۱۳۰)

”مومنو! یہ بڑھتا چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو، اور اللہ سے ڈرتے

رہو تاکہ تم فلاح پاؤ“

یہاں یعنی سود سے مراد وہ طے شدہ زائد رقم ہے جو ایک قرض دینے والا

اپنے مقروض سے اپنی اصل رقم کے علاوہ کسی بھی مقررہ مدت کے بعد وصول کرتا ہے۔ قرآن صاف اور صریح الفاظ میں اس کو قطعاً حرام قرار دیتا ہے۔ اور اس کو حلال کہنے والوں کو لرزہ خیز انجام کی وعید سناتا ہے۔ لہٰذا

سود کو حلال کہنے والے کا حشر
 الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقْوَمُ الَّذِينَ
 يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا
 الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا۔ (البقرہ ۲۴۵)
 ”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھیں گے، مگر اس شخص کے مانند
 جس کو شیطان نے اپنی چھوت سے باڈا بنا دیا ہو، یہ اس وجہ سے کہ
 انہوں نے کہا تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے، درآں حالیکہ تجارت کو
 خدا نے حلال ٹھہرایا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔“

شیطان کی چھوت لگنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے عقل اور دماغ پر شیطان
 پوری طرح چھا گیا ہے، اور یہ لوگ آسیب زدہ شخص کی طرح بالکل ہی پاگل اور
 دیوانے ہو گئے۔ نہ انہیں یہ احساس ہے کہ ان کی اس حد سے بڑھتی ہوئی زر
 پرستی کس طرح انسانی سوسائٹی کو تباہ کر رہی ہے اور نہ انہیں اس کا شعور ہے
 کہ خدا کے خلاف ان کی اس باغیانہ روش کا نتیجہ قیامت میں کیا نکلنے والا ہے۔
 سود و خواروں کا دائمی ٹھکانا

وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرہ ۲۴۵)

لے تفصیل کے لئے امدادِ رسول اور کتب فقہ دیکھئے۔

”اور جو پھر یہی کریں تو ایسے لوگ جہنمی ہیں، اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔“

یعنی سود کی حرمت کا صریح اور قطعی حکم آجانے کے بعد بھی جو لوگ سود کھاتے رہیں تو ایسے باغیوں اور مفسدوں کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔

سود خوروں کے خلاف اعلان جنگ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ

اللَّهِ وَرَسُولِهِ - (البقرة ۲۷۸، ۲۷۹)

”ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو، اور جو سود تمہارا لوگوں پر باقی

رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم واقعی مومن ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا

تو خبردار ہو جاؤ کہ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف

اعلان جنگ ہے۔“

یعنی اسلامی مملکت کے حدود میں جو لوگ سودی کاروبار جاری رکھیں،

وہ درحقیقت خدا کے باغی ہیں، اور وہ اپنے عمل سے خدا کے قانون کو چیلنج

کر رہے ہیں، ان کا یہ عمل فوجداری جرم ہے، اور اسلامی مملکت ایسے لوگوں کو

ہرگز اپنے درمیان برداشت نہ کرے گی۔

مقروض کے ساتھ نرمی کی تاکید

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا

خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ (البقرة ۲۸۰)

”اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اس کو مہلت دیدو،

اور اگر تم مجھ سے کام لو، تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایسے
مقروض کو قرض خیرات میں بخش دو۔

جو شخص سودی قرض لے چکا ہے، اگر وہ تنگ دست اور نادار ہے تو اس
کو اتنی مہلت دے دینی چاہیے کہ جب اس کا ہاتھ کھلے تو وہ اصل رقم واپس کر
دے اور اگر قرض دینے والا عالی ظرفی سے کام لے کر اصل رقم بھی اس کو بخش دے
تو یہ اس کے حق میں اور بہتر اور آخرت میں اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔ آیت
ایک طرف تو تاکید کرتی ہے کہ ناداروں کے ساتھ نرمی اور فیاضی کا برتاؤ کرنا
چاہیے۔ دوسری طرف اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ دور رسالت
میں سودی قرضے لینے والے صرف محتاج اور نادار لوگ ہی نہ تھے، بلکہ خوشحال
لوگ بھی اپنی تجارتوں کو فروغ دینے کے لئے سودی قرضے لیتے تھے۔ دور
حاضر کے امام تفسیر علامہ حمید الدین فراہی نے آج سے تقریباً ۶۵ سال پہلے
اس آیت کے ذیل میں لکھا تھا: "ان الفاظ سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے
کہ اہل عرب خوشحالوں سے بھی سود لیتے تھے۔ پھر قریش تاجر تھے، اور سودی بیوپار
ان میں رائج تھا۔"

قرض کیلئے دستاویز لکھوانا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَايِنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ

مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ - (البقرہ ۲۸۲)

"ایمان والو! جب کسی مقررہ مدت کے لئے تم آپس میں قرض کا لین

دین کرو تو لکھا پڑھی کر لیا کرو۔"

یعنی قرض کی مدت بھی متعین ہونی چاہیے، اور دستاویز بھی لکھی جانی چاہیے
چاہے معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

دستاویز کے کاتب کو ہدایت

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبًا بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ

أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ ۖ (البقرہ ۲۸۲)

”اور کاغذ نویس کو چاہیے کہ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ

دستاویز تحریر کرے، اور جس کو اللہ نے لکھنے کی صلاحیت سے نوازا

ہے اس کو چاہیے کہ اس کام سے انکار نہ کرے۔“

کاغذ قرض لینے والا لکھوائے

وَالْيُسْئِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلَيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا

يُبْخَسُ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا

أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَمِلَ هُوَ قَلِيلٌ وَلِيًّا بِالْعَدْلِ

(البقرہ ۲۸۲)

”اور اگلا اس شخص کو کرانا چاہیے جس پر حق آتا ہے، اور اسے خدا اپنے

رب کا خوف رکھنا چاہیے کہ معاملہ میں کوئی کمی نہ کرے، لیکن اگر قرض

لینے والا خود نا سمجھ یا کمزور ہو، یا خود بول کر مضمون لکھوانے کی صلاحیت

نہ رکھتا ہو تو اس کے ولی کو چاہیے، کہ انصاف کے ساتھ کاغذ لکھو دے۔“

دستاویز پر گواہیاں

وَأَشْهَدُوا وَإِنْ شَهِدَا مِنْ رَجَائِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا

رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَآمَرَ أُتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ
تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى - (البقرہ ۲۸۲)

”اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہیاں کرالو۔ اور
اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، جن کو تم گواہی کے لئے
پسند کرو، تاکہ اگر ایک بہک جائے تو دوسری اس کو یاد دہانی کرا
دے“

”اپنے مردوں میں سے“ یعنی یہ کہ گواہ مسلمان ہوں، اور مسلمان معاشرہ
میں اپنی سیرت و اخلاق اور دیانت کے اعتبار سے جانے پہچانے اور قابل
اعتماد ہوں۔

گواہوں کا فرض

وَلَا يَأْتِ الشُّهَدَاءُ إِذْ مَا دُعُوا - (البقرہ ۲۸۲)

”اور گواہوں کو جب بھی گواہی کے لئے طلب کیا جائے تو انہیں

انکار نہ کرنا چاہیے“

یعنی مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ جب بھی انہیں کسی معاملہ میں بحیثیت گواہ
طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ گواہی دینا ان کا منصبی فریضہ ہے۔ حق
کی شہادت ہی کے لئے خدا نے انہیں اٹھایا ہے۔

دستاویز لکھوانے کی حکمت

وَلَا تَسْمَعُوا أَنْ يَكْتُمُوا صَغِيرًا وَكَبِيرًا إِلَىٰ آجَلِهِ

ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا

تَرْتَابُوا۔ (البقرہ ۲۸۲)

”اور میعاد کے ساتھ دستاویز لکھوانے میں تساہل نہ کرو چاہے معاملہ

چھوٹا ہو یا بڑا۔ خدا کے نزدیک یہ بات زیادہ قرین انصاف ہے،

اس سے شہادت قائم کرنے میں زیادہ سہولت ہے اور تمہارے شکوک

و شبہات میں مبتلا ہونے کا اندیشہ کم سے کم رہ جاتا ہے۔

نقد خرید و فروخت میں دستاویز ضروری نہیں

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ إِلَّا تَكْتُبُوهَا۔ (البقرہ ۲۸۲)

”ہاں جو تجارتی لین دین تم لوگ دست بدست کرتے ہو اس کا کاغذ

نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔“

یعنی نقد خرید و فروخت دستاویز لکھولے بغیر بھی کی جاسکتی ہے۔

البتہ گواہ ضروری ہے

وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ۔ (۱)

”اور گواہ کر لیا کرو جب آپس میں تجارتی لین دین کرو۔“

گواہ اور کاتب کو ستایا نہ جائے

وَلَا يُنَادِرُ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفَعَّلُوا فِائْتَهُ سُوقُ

بِكُمْ ط۔ (۲)

”اور کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے۔ ایسا کرونگے تو گناہ کا

ارتکاب کرونگے۔“

یعنی ایسے طریقے اختیار نہ کرو کہ کاتب کاغذ لکھتے ہوئے گھبرانے لگے،
اور گواہ گواہی دینے سے بچنے لگے۔

گواہی چھپانا گناہ ہے

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ إِثْمٌ قَلْبُهُ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (البقرہ ۲۸۳)

”اور گواہی نہ چھپاؤ۔ اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے یقیناً اس کا دل گناہ
میں آلودہ ہے، اور خدا تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔“

رہن

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنِ مَقْبُوضَةً
فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِيَ اٰمَانَتَهُ وَا
لْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ - (البقرہ ۲۸۳)

”اور اگر تم سفر میں ہو، اور دستاویز لکھنے کے لئے کسی کاتب کو نہ
پاؤ تو رہن قبضہ میں کرادو، پھر اگر ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے کی شکل
پیدا ہو جائے، تو جس کے پاس امانت رکھی گئی وہ امانت ادا کر دے،
اور خدا سے جو اس کا رب ہے ڈرے۔“

اگر سفر کی حالت میں دستاویز لکھنے اور گواہیاں حاصل کرنے کا اہتمام ممکن
نہ ہو تو پھر قرض دینے والے کے پاس اپنی کوئی چیز امانت رکھ کر قرض لیا جاسکتا
ہے۔ البتہ جب قرض دینے والے کے لئے بھروسہ اور اعتماد کی تسکلیں پیدا ہو

جائیں تو اس کو چاہیے کہ امانت میں لی ہوئی چیز مقروض کو واپس کر دے۔ اسلامی معاشرہ کی امتیازی خوبی ہی یہ ہے کہ اس کے افراد ایک دوسرے کے ہمدرد، خیر خواہ ہوتے ہیں، ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں، اور خوشحال لوگ کمزوروں اور ناداروں کا سہارا بن کر مسرت محسوس کرتے ہیں۔

وصیت کی تاکید

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا
 وَالْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى
 الْمُتَّقِينَ ۝ (البقرہ ۱۸۰)

”تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ کچھ مال چھوڑ رہا ہو، تو وہ والدین اور رشتہ داروں کے لئے معرفت دستور کے مطابق وصیت کرے۔ خدا سے ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے۔“

یہ حکم میراث کے احکام نازل ہونے سے پہلے عبوری دور کے لئے دیا گیا تھا۔ بعد میں جب میراث کے مفصل احکام آگئے تو خود بخود یہ وصیت کی فرضیت ختم ہو گئی۔ اب نہ تو میراث پانے والے رشتہ داروں کے لئے کوئی وصیت کر سکتا ہے، اور نہ کوئی وصیت ایک تنہائی مال سے زیادہ میں نافذ ہوگی البتہ چونکہ وصیت ایک حق ہے جو خدا سے ڈرنے والوں پر عائد ہوتا ہے اس لئے اس سے غفلت نہ برتنا چاہیے، اور اپنے خاندان کے ان حاجتمندوں کے

لئے جو میراث میں حصہ نہ پاتے ہوں یا یاہر کے محتاجوں یا دوسرے رفاہ عام
کے کاموں کے لئے وصیت کرنی چاہیے۔

قسم

وَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ۔ (البقرہ ۲۲۴)

”اور اللہ کے نام کو اپنی ایسی قسمیں کھانے کا نشانہ نہ بناؤ۔“

یعنی خدا کے نام کا احترام کرو، اور جاوبے جا نہیں نہ کھاؤ۔

نیکی سے باز رہنے کیلئے قسم نہ کھاؤ

وَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا

وَتَصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ط وَاللَّهُ سَبِيحٌ عَلَيْهِمُ۔ (البقرہ ۲۲۴)

”اور اللہ کے نام کو اپنی ایسی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم نیکی اور

پرہیزگاری اور بندگانِ خدا کی بھلائی کے کاموں سے باز رہو۔ اللہ تعالیٰ

سب کچھ سن رہا ہے، اور سب کچھ جانتا ہے۔“

یعنی خدا کے پاک نام کو ایسی قسمیں کھانے کے لئے استعمال نہ کرو، جن

سے تمہارا مقصود کسی نیکی سے رکن یا بندگانِ خدا کی بھلائی کے کاموں سے باز

رہنا ہو۔ اس حدیث میں ہے کہ ”اگر کسی نے بھلے کام سے باز رہنے کی قسم کھالی

ہو، تو اسے اپنی قسم توڑ دینا چاہئے۔ اور قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔

قسم کا کفارہ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ

بِمَا عَقَدْتُمْ مِنَ الْأَيْمَانِ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينٍ

مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطَّعْتُمُوْنَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتِهِمْ أَوْ تَحْرِيرِ رَقَبَةٍ
 فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةٌ لِّإِيمَانِكُمْ
 إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ
 آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البائعات ۸۹)

مخدا تمہاری لغو اور مہمل قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرتا، البتہ ان
 قسموں پر ضرور مواخذہ کرے گا جو تم جان بوجھ کر کھاتے ہو۔ تو ایسی قسموں
 (کو توڑنے) کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ
 جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہناؤ، یا ایک غلام
 آزاد کر دو۔ اور جس کو یہ طیسر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔
 یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔ جب تم قسم کھا لو، (اور اسے توڑ دو)
 اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے واسطے اپنے
 احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کی روش اختیار کرو۔
 قسموں کی حفاظت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اول تو آدمی بات بات
 پر قسم کھانے سے بچے۔ اور جب کھالے تو پھر اس کی طرف سے لاپرواہی نہ
 برتے۔ اور اگر اس کی خلاف ورزی ہو جائے، تو ذمہ داری کے ساتھ اس
 کا کفارہ ادا کرے۔

وراثت

مال کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کی تقسیم کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو، اور سوسائٹی کے تمام ہی افراد اس سے فائدہ اٹھائیں اسی غرض کے لئے اس نے میت کے چھوڑے ہوئے مال کو اس کے زرتہ واروں میں تقسیم کرنے کے احکام دیے۔ اور سخت تاکید فرمائی کہ ان احکام کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ یہ اسی خدا کے مقرر کئے ہوئے حصے ہیں جو انسان کی مصلحتوں کو انسان سے زیادہ بہتر جانتے والا ہے۔ اور اس نے جو احکام بھی دیے ہیں ان میں انسان کی سہولتوں کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔

قانون وراثت کی دینی اہمیت

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ مَا يَدَّخِرْهُ

تَارِخًا لِّدِينِهِمْ وَلَهُ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝ (النساء ۱۲)

”اور جو اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی

حدوں سے تجاوز کرے گا اس کو خدا آگ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ

رہے گا۔ اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔“

قانون وراثت کی اہمیت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ اس کی خلاف ورزی

کرنے والوں کو خدا نے ہمیشہ کے لئے رسوا کن عذاب کی سزا سنائی ہے۔

مگر افسوس کہ مسلمان پھر بھی اس کی طرف سے غفلت برت رہے ہیں۔

اور طرح طرح سے قانون وراثت میں تبدیلیاں کر کے خدا کے غضب کو بھڑکا رہے ہیں۔

قانون وراثت خدا ہی کا حق ہے

اِبَاءُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفَعًا فَرِيضَةٌ

مِنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (النساء ۱۱)

دو تم نہیں جانتے کہ تمہارے آباؤ اجداد اور تمہاری اولاد میں کون فائدہ

کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے خدا نے مقرر کر دیئے ہیں۔

اور بلاشبہ خدا تمام حقیقتوں سے واقف اور دانا و بینا ہے۔

یعنی انسان کا علم ناقص اور محدود ہے، وہ نہیں جان سکتا کہ کون سے

رشتے اس سے قریب تر ہیں، اور آباؤ اجداد یا اولاد میں سے کون سے رشتے اس

کے لئے زیادہ نفع بخش ہیں۔ خدا ہی کو اس حقیقت کا صحیح علم ہے۔ وہی انسان

کی تمام مصلحتوں سے بخوبی واقف ہے، اور اس کے احکام سر اسر حکمت پر

بنی ہیں۔

میراث میں مرد اور عورت دونوں حقدار ہیں

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ

نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ (النساء ۷)

مردوں کا اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے

چھوڑا ہو، اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں

نے چھوڑا ہو۔

میراث کے سلسلہ میں یہ ایک اہم قانونی حکم کی وضاحت ہے کہ میراث صرف مردوں ہی کا حق نہیں ہے۔ بلکہ عورتیں بھی میراث کی حقدار ہیں، اور خدانے ان کے حصے مقرر کئے ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ عورتوں کو ان کے حصوں سے محروم کرے یا ان میں کمی بیشی کرے۔

میراث کی تقسیم بہر حال لازمی ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (النساء،)

”مردوں کا اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ وہ کثرتاً مقرر ہو یا بہت، یہ خدا کے مقرر کردہ حصے ہیں“

یعنی میت کا چھوڑا ہوا ترکہ چاہے کتنا ہی کم ہو بہر حال اس کو تقسیم کرنا ہوگا، اور حقداروں تک ان کا حق پہنچانا ہی ہوگا، چاہے یہ حق کتنا ہی قلیل ہو۔ تقسیم، ادائے قرض و وصیت کے بعد ہو

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يَوْمِ يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ ط

”میت کی وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد“

یعنی ترکہ کی تقسیم میت کی وصیت پوری کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی۔

اے امت کا اس پر اجماع ہے کہ ترکہ کے مال سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ پھر وصیت پوری کی جائے گی اور پھر بقیہ ترکہ داروں میں تقسیم ہوگا۔

مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْاُنثِيَيْنِ۔ (النساء)

”تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت دیتا ہے کہ مرد کا حصہ

دو عورتوں کے برابر ہے“

ترکے کی تقسیم میں بنیادی ہدایت یہ ہے کہ مرد کا حصہ عورت سے دو گنا ہے

اس لئے کہ مرد کے ذمہ معاشی ذمہ داریاں عورت کے مقابلہ میں زیادہ ہیں۔

اولاد کے حصے

لڑکے اور لڑکی کا حصہ

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْاُنثِيَيْنِ۔

(النساء ۱۱)

”تمہاری اولاد کے معاملہ میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے، کہ لڑکے کا

حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے“

یعنی جب لڑکے اور لڑکیاں دونوں وارث ہوں تو ایک لڑکے کا حصہ

دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

صرف لڑکیاں وارث ہوں تو دو تہائی

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ (النساء ۱۱)

”پس اگر میت کی وارث دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا

دو تہائی دیا جائے گا“

یہی حکم دو لڑکیوں کا بھی ہوگا۔

صرف ایک ہی لڑکی وارث ہو تو ادھا

وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔

» اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو اس کو کل تر کے کا ادھا دیا جائیگا۔

والدین کے حصے

با اولاد میت کے ماں باپ کا چھٹا حصہ

وَالْأَبَوَانِ لِلْكُلِّ وَاحِدًا مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَتْ

أُمًّا وَلَدًا طَرِ النَّسَاءُ ۱۱

» اور اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے ماں باپ میں سے ہر

ایک کو تر کے کا چھٹا حصہ ملے گا۔

بے اولاد میت کی ماں کا تہائی حصہ

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ أَبْوَاءُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ۔ (۱۲)

» اور اگر میت صاحب اولاد نہ ہو، اور والدین ہی اس کے وارث

ہوں تو ماں کو تہائی حصہ ملے گا۔

یعنی اگر صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ ہوگا،

اور تہائی دو تہائی باپ کا ہوگا۔

میت کے بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ۔ (۱۳)

”اور اگر میت کے بہن بھائی بھی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ دیا جائیگا۔“

زوجهین کے حصے

اولاد نہ ہو تو شوہر کا آدھا حصہ

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وِلْدٌ -

(النساء ۱۲)

”اور تمہاری بیویوں کے مال میں تمہارا آدھا حصہ ہے، اگر وہ بے

اولاد ہوں۔“

اولاد ہو تو چوتھائی حصہ

فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وِلْدٌ فَلَكُمْ الرَّبِيعُ مِمَّا تَرَكَنَّ - (النساء ۱۳)

”اور اگر اولاد والی ہوں تو ترکہ کا چوتھائی حصہ تمہارا ہے۔“

اولاد نہ ہو تو بیوی کا چوتھائی حصہ

وَلَهُنَّ الرَّبِيعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وِلْدٌ - (۴)

”اور وہ تمہارے ترکے میں چوتھائی حصہ کی حقدار ہیں اگر تم صاحب

اولاد نہ ہو۔“

اولاد ہو تو اٹھواں حصہ

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وِلْدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ -

”اور اگر تم صاحب اولاد ہو تو تمہارے ترکے میں ان کا حصہ

اٹھواں ہوگا۔“

بہن بھائی کے حصے

ایک بہن یا بھائی ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةً وَوَلَّهُ أَخٌ أَوْ أُخْتُ

فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ - (النساء ۱۲)

”اور اگر (میت) مرد یا عورت بے اولاد بھی ہو، اور اس کے ماں

باپ بھی زندہ نہ ہوں، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو، تو اس

بھائی یا بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔“

ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک

فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ - (۲)

”اور اگر بھائی یا بہن ایک سے زائد ہوں تو وہ ایک تہائی مال میں

شریک ہوں گے۔“

یہ ان بھائی یا بہنوں کا ذکر ہے جو میت کے ساتھ صرف ماں کی طرف سے

رشتہ رکھتے ہوں، اور باپ دوسرا ہو۔

سگی بہن کا آدھا حصہ

يَسْتَفْتُونَكَ ط قَالَ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ ط وَإِنْ امْرُؤٌ

هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَكَلٌ وَوَلَّهُ أُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ط

”لوگ آپ سے کلالہ کے معاملہ میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں

فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جس کی نہ اولاد ہو، نہ ماں باپ،

اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ ترکے میں آدھے حصے کی حقدار ہوگی۔ اور اگر
بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث ہوگا۔

دو بہنیں وارث ہوں تو دو ٹہائی حصہ

فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّدْشُ مِثْلًا تَرَكَ - (النساء ۱۷۶)

دو اور اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو ٹہائی

کی حقدار ہوں گی۔

کئی بھائی بہنیں ہوں تو مرد کا حصہ دوگنا ہوگا

وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ

(النساء ۱۷۶)

دو اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہرا، اور مردوں کا دوہرا

حصہ ہوگا۔

یہ حکم سنگے بہن بھائیوں کا بھی ہے، اور ان بہن بھائیوں کا بھی جو میت کے

ساتھ صرف باپ کی طرف سے رشتہ رکھتے ہوں، اور ماں دوسری ہوں۔

۲۲۲

باب چہارم

تسلیح دین

دامت کا نصب العین، قرآنِ قطعی طور پر یہ قرار دیتا ہے کہ وہ
 کامل یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ اُس پورے دین کی پیروی کرے
 اور عملاً اُسے نافذ اور قائم کرے جو بنیادی عقائد اصول اخلاق اور
 انسانی زندگی سے متعلق تمام ہی آسمانی ہدایات پر مشتمل ہے۔
 اس حقیقت کی فیصلہ کن دلیل جو خدا کا راہِ اسلام کے دلوں
 میں یقین کی ٹھنڈک پیدا کرتی ہے، وہ آخری رسولؐ کا تینیس سالہ
 روشن دور ہے۔ اس دورِ سعادت میں آپؐ نے عقائد و اخلاق کی
 تعلیم بھی دی، عبادات کے طریقے بھی سکھائے، قرآنی ہدایات
 کے مطابق انسانی سماج کی تعمیر بھی کی، اور انسانی زندگی کو منظم کرنے
 والی ایک بابرکت اسٹیٹ بھی قائم فرمائی۔

(۱۲)

انسان کا اصل دین

انسان کا اصل دین اسلام ہے۔ خدا کے نزدیک انسان کے لئے یہی احد مستند اور سچا دین ہے۔ اس کے سوا کوئی دین خدا کے یہاں مقبول نہیں۔ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر اپنے اپنے زمانوں میں اسی دین کی تبلیغ کرتے رہے، اور آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی دین کو آخری اور مکمل شکل میں پیش فرمایا۔

تمام انبیاء کی دعوت ایک تھی

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا

التَّطَاغُوتَ - (النحل ۳۶)

”اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور

طاغوت کی بندگی سے بچو۔“

خدا کے سوا جو بھی اپنی آقائی اور خدائی کا دم بھرے، اور کسی پہلو سے بھی خدا کے بندوں سے اپنی بندگی اور اطاعت کا مطالبہ کرے وہ طاغوت ہے۔ خدا کے سارے رسول اسی لئے بھیجے گئے کہ انسان طاغوت کی بندگی اور اطاعت سے بچیں، اور ایک خدا کی مخلصانہ بندگی کریں، یہی اسلام کا جوہر ہے، اور یہی

اس کلمہ کی حقیقت ہے جس کا اقرار کر کے آدمی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے۔

تمام انبیاء اسلام کے داعی تھے

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا
الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا بَيْنَهُمْ - (آل عمران ۱۹)

”اللہ کے نزدیک دین تو بس اسلام ہی ہے، اس سے پہلے کراہی کتاب نے جو مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، ان کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انہوں نے ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لئے علم الہی آجانے کے بعد ایسا کیا۔“

یعنی خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے سارے پیغمبر اسلام ہی کے داعی تھے، خواہ وہ کسی قوم میں آئے ہوں، اور کسی زمانے میں آئے ہوں۔ بعد میں ان کے ماننے والوں نے اپنی اغراض و خواہشات اور مختلف مفادات کی خاطر اصل دین میں رد و بدل کر کے مختلف دین و مذہب رائج کر ڈالے۔

سارے انسان ایک ہی امت ہیں

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَ
مُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا
اختلفوا فيه وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا
جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَعِيًّا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا
اختلفوا فيه مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ لِرَبِّهِ

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (البقرہ ۲۱۳)

”تمام انسان ایک ہی امت ہیں (جب ان میں باہمی اختلاف رونما ہوئے) تو اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے، جو راست روی پر بشارت دینے والے، اور کج روی کے بُرے انجام سے ڈرانے والے تھے، اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات ہو گئے ہیں ان کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے (اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ لوگوں کو حق بتایا نہ گیا تھا بلکہ اختلاف ان لوگوں نے برپا کیا جن کو حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایات پالینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنی چاہتے تھے۔ پس جو لوگ ایمان لے آئے انہیں اللہ نے اپنی توفیق سے اس حق کا بیدار راستہ دکھا دیا جن میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست دکھاتا ہے۔“

یعنی سارے انسان اپنی فطرت اور اصل کے لحاظ سے ایک ہی امت ہیں، اختلاف نے ان کے پاس ایک ہی دین بھیجا تھا۔ البتہ انہوں نے ایک دوسرے سے بڑھ کر حقوق و امتیازات حاصل کرنے کی ہوس میں بھانت بھانت کے مذہب ایجاد کئے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي

الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝ (آل عمران ۸۵)

”اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو اختیار کرنا چاہے گا
اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد
ہوگا۔“

خدا کے نزدیک صرف وہی دین مقبول ہے جو اس نے اپنے پیغمبروں کے
ذریعے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا، اور جس کو مکمل ترین شکل میں خدا کے
رسول نے پیش فرمایا۔ اس سچے اور مستند دین کو چھوڑ کر اپنے ذہن و دماغ سے
لوگوں نے بندگی کے جو جو طریقے بھی ایجاد کئے، اور جس غیر مستند دین سے بھی
دالبتہ ہیں، خدا کی نظر میں ان کی کوئی قیمت نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ اور اسلام

وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّا فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (البقرہ ۱۲۵)

”اور ہم نے ابراہیمؑ کو اپنے کام کے لئے چن لیا تھا۔ اور آخرت میں

ان کا شمار صالحین میں ہے۔ جب ان کے پروردگار نے ان سے اسلام

و فرما تبرداری کا مطالبہ کیا تو فوراً پکار اُٹھے ”میں رب العالمین کا مکمل

فرمانبردار ہو چکا ہوں۔“

حضرت ابراہیمؑ کا دین بھی اسلام ہی تھا، اور ان کی رہنمائی پر یہود و نصاریٰ

اور ان تمام قوموں کا اتفاق ہے جو کسی آسمانی کتاب یا دین کی قائل ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ اور امامتِ عالم
وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ

بَلَدًا مِّنْ أُمَّمَاطٍ (البقرہ ۱۲۴)

”اور یاد کیجئے کہ ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا۔

اور وہ سب میں پورے اترے تو اللہ نے فرمایا، میں تم کو تمام انسانوں کا

امام اور پیشوا بنانا ہوں۔“

یعنی جب وہ خدا کی فرمانبرداری میں ہر طرح پورے اترے تو خدا نے

انہیں تمام عالم کی پیشوائی کا عظیم منصب عطا فرمایا، اور ہر قوم نے انہیں اپنا

رہنما اور امام تسلیم کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی وصیت

وَوَصَّىٰ بِرَہْمَآئِہِہِ اِبْرَہِیْمَ بَنِیْہِہِ وَیَعْقُوبَ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی

لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تُؤْتُوْنِ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرہ ۱۳۲)

”اور ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اسی دین اسلام پر چلنے کی ہدایت کی،

اور اسی کی وصیت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کی، اور کہا میرے بچو خدا

نے تمہارے لئے اسی دین کو پسند فرمایا ہے، تو تم مرتے دم تک مسلم

ہی رہنا۔“

دین ابراہیمی سے اعراضِ حماقت ہے

وَمَنْ یَّرْتَقِبْ عَن مِّلَّةِ اِبْرَہِیْمَ اِلَّا مَن سَفِہَ نَفْسَہٗ (البقرہ ۱۳۰)

”اب کون ہے جو ابراہیمؑ کے دین سے روگردانی کرے، جس نے خود

کو نادانی اور حماقت میں مبتلا کر لیا ہو، اس کے سوا اور کون یہ حرکت کر سکتا ہے؟
حضرت ابراہیمؑ کی تمنا ہیں

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي
وَبَيْتِي أَنْ تَعْبُدَ الْأَصْنَامَ رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ
فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ
الْمَحْرُومِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ
تَهْتَدِي إِلَيْهِمْ وَإِذْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسُوا حَتَّىٰ إِذَا لَمْ يُبْقِوْا
لَكَ تَعْلَمَ مَا نَخْفَىٰ وَمَا نُعَلِنُ بِرَبِّكَ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ
فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (ابراہیم ۳۵-۳۸)

”اور ان احسانات کو یاد کرو، جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے
میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا دے، اور مجھے اور میری
اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھ، اے رب! ان بتوں نے بہتوں کو
گمراہی میں ڈالا ہے (ایسا نہ ہو کہ یہ میری اولاد کو بھی گمراہ کر دیں) سو جو
میرے طریقے پر چلتا رہا وہ میرا ہے، اور جو میرے خلاف طریقہ
اختیار کرے تو (میں کیا کہوں) تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔
داگر تو ان پر بھی رحم فرمائے تو تیرے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے؟ اے
میرے رب! میں نے اپنی اولاد میں سے کچھ کو اس بے آہ گناہ وادی
میں تیرے عزت والے گھر کے پاس لایا ہے۔ میرے پروردگار!

یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ یہ یہاں نماز قائم کریں۔ لہذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرمادے۔ اور تو انہیں پھل عطا فرماتا کہ یہ تیرے شکر گزار بندے بنے رہیں۔ اے میرے رب! تو وہ باتیں بھی جانتا ہے جنہیں ہم چھپاتے ہیں، اور وہ باتیں بھی جنہیں ہم ظاہر کرتے ہیں، اور واقعی خدا سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے، نہ زمین میں، اور نہ آسمان میں۔

حضرت ابراہیمؑ کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ جس بے آب و گیاہ میدان میں انہوں نے اپنی اولاد کو لایا ہے، اور جہاں انہوں نے توحید کا مرکز قائم کیا ہے یہ شہر شرک کی گندگیوں سے مامون رہے اور ان کی اولاد شرک کی نجاستوں سے بچی رہے۔ انہیں اگر کوئی فکر و امن گیر تھی تو صرف یہ کہ میرے بعد کہیں میری نسل بھر شرک کی آلودگیوں میں نہ پھنس جائے، اور اس طریقے سے نہ ہٹ جائے جس کے لئے میں نے اس پاک گھر کی تعمیر کی۔ آپ نے دعا فرمائی کہ پروردگار! جن دینی جذبات کے ساتھ میں نے تیرے اس گھر کو بسایا ہے وہ بھی تجھ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ اور زندگی بھر تیری راہ میں جو دوڑ دھوپ کی ہے وہ بھی تیرے سامنے ہے۔ پروردگار! میں نے یہ پاک گھر اس لئے بسایا ہے کہ میری نسل کے یہ لوگ تیری عبادت کے لئے نماز قائم کریں۔ پروردگار! تو لوگوں کے دل ان کی طرف جھکا دے، اور انہیں ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال فرمادے کہ یہ تیرے شکر گزار بندے بنے رہیں، اور توحید کی روشنی دنیا بھر میں اس مرکز سے پھیلتی رہے۔ یہ ان کی ایمانی تڑپ، نرم دلی، شفقت اور دین سے محبت کی واضح ترین مثال ہے۔ اسی ایمانی تڑپ اور دینی دُور کے ساتھ انہوں نے آخری رسولؐ کی بعثت کے لئے بھی دعا فرمائی کہ

ان کے ذریعے سے رہتی دنیا تک توحید کی تعلیم زندہ رہے، اور لوگ میں حقیقت پر قائم رہیں۔

آخری رسول کی بعثت

بعثت رسول کی دعا

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(البقرہ ۱۲۹)

”اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھا، جو انہیں تیری آیات سنائیں، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں، اور ان کی زندگیوں کا تزکیہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ تو نہایت با اقتدار اور حکمت والا ہے۔“

مومنوں پر خدا کا عظیم احسان

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (ال عمران ۱۶۴)

”حقیقت یہ ہے کہ مومنوں پر خدا نے یہ عظیم احسان فرمایا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسے رسول کو اٹھایا جو انہیں خدا کی آیات سناتے ہیں، ان کی زندگیوں کا تزکیہ کرتے ہیں، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔“

آخری رسولؐ کے فرائض

تبلیغ دین

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ

تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ - (المائدہ ۶۷)

”اے رسول! تبلیغ کیجئے اس دین کی جو آپ کے رب کی طرف سے آپ

پر نازل کیا گیا ہے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے رسالت کا حق ادا نہ

کیا۔“

رسول کے اٹھائے جانے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو

خدا کے احکام اور پیغام پہنچائیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر آپ نے فریضہ تبلیغ میں

ادنی کوتاہی بھی کی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ نے رسالت کا حق ادا نہ کیا۔

انذار و تبشیر

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا - (البقرہ ۱۱۹)

”حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آپ کو علم حق دے کر بھیجا ہے۔ خوشخبری دینے

والا اور ڈرانے والا بنا کر۔“

یعنی کائنات اور اس کا انجام، حق و باطل اور نیکی اور بدی کا جو علم آپ کو دیا

گیا ہے، اس کی بنیاد قیاس و اندازہ اور وہم و گمان پر نہیں، بلکہ حقیقت اور یقین پر

ہے، تاکہ آپ یقین کی پوری قوت کے ساتھ خدا کے بندوں کو کفر اور بدی کے برے

انجام سے ڈرائیں، اور ایمان و عمل صالح کے حسن انجام کی خوشخبریاں سنائیں۔

امر بالمعروف، نہی عن المنکر

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ - (الاعراف، ۱۵۷)

”وہ انہیں نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں“

شہادت حق اور دعوت الی اللہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا

إِلَى اللَّهِ بِآذَانِهِ وَسِرًّا جَامِنًا مِّنْ بَرَاءةٍ (الاحزاب ۴۵)

”اے نبی! ہم نے آپ کو حق کی گواہی دینے والا، نیکی پر خوشخبری دینے

والا اور برائی کے انجام پید سے ڈرانے والا اور خدا کی توفیق اور حکم سے خدا

کی طرف بلانے والا، اور روشن چراغ بلا کر بھیجا ہے“

یعنی آپ اپنے قول و عمل سے دین حق کی گواہی دینے والے ہیں، اور خدا

سے بچھڑے ہوئے غافل بندوں کو خدا کی طرف بلانے والے اور اس سے قریب

کرنے والے ہیں۔

نظام عدل کا قیام

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا

أَرْسَلْنَاكَ اللَّهُ - (النساء ۱۰۵)

”اے رسول! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ پر اتاری ہے تاکہ

آپ خدا کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کریں“

یعنی رسول کا کام یہ ہے کہ وہ کتاب الہی کی ہدایات اور احکام کی روشنی میں لوگوں

کے درمیان عدل و انصاف کو قائم رکھیں۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ
لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ - (الحديد ۲۵)

”ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے
ساتھ کتاب اور میزان کو اتارا تاکہ سارے لوگ انصاف پر قائم رہیں۔
اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں زبردست قوت ہے، اور لوگوں کے
لئے بہت سی منفعتیں ہیں۔“

میزان سے مراد عدل و انصاف کے قوانین ہیں جو کسی غالب قوم کے
ذریعے نافذ ہوتے ہیں۔

یعنی دنیا میں عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لئے خدا نے پیغمبروں کو
کتاب ہدایت دی اور عدل و انصاف کے حقیقی قوانین دیئے۔ اور پھر خدا نے
دنیا میں وہ قوت قاہرہ بھی نازل فرمائی جو ان قوانین پر عمل کرانے اور نظام عدل
کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

دین حق کا غلبہ

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ

عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ - (التوبہ ۳۳، الفتح ۲۸)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو حقیقی ہدایت اور دین حق کے

ساتھ بھیجا، تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔“

دین حق سے مراد وہ آسمانی نظام بندگی ہے جس کی بنیاد اس حقیقت پر ہے

کہ اقتدار کا مالک تنہا وہ خدا ہے جو تمام کائنات کا خالق اور پروردگار ہے
وہی انسان کا حقیقی مالک، معبود اور حاکم ہے۔ اور عبادت اور اطاعت
صرف اسی کا حق ہے۔

یہی وہ دین حق ہے جو ہر دور میں خدا کے پیغمبروں کے ذریعے انسان کی
ہدایت کے لئے آتا رہا ہے، اور اسی دین حق کے ساتھ خدا کے آخری رسول کی بھی
بعثت ہوئی۔

خدا، جو اقتدار اور فرماں روائی کا تنہا مالک ہے، اس کے بھیجے ہوئے
نظامِ بندگی کا حقیقی مقام ہی یہ ہے کہ وہ اطاعت کے ان تمام نظاموں پر
غالب ہو کر رہے۔ جو انسان نے اپنی سوسائٹی کے لئے گھڑ لئے ہیں، یا ان
کا ہونا انسانی زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ خدا کے آخری رسول کی بعثت کا
یہی مقصد تھا۔ اور ۲۳ سال کی مبارک زندگی میں آپ نے اسی فریضے کو بچس
و خوبی انجام دیا۔ اس دور رسالت میں دین کو نہ صرف ذہنی اور فکری غلبہ ہی
حاصل تھا، بلکہ سیاسی اور مادی غلبہ بھی حاصل ہوا۔ اور اس غلبہ کو
حاصل کرنے کے لئے خدا کے رسول اور آپ کے جان نثار صحابہوں نے خدا
کی اس ہدایت پر پورا پورا عمل کیا، جو سورہ توبہ میں اس آیت کے دوہی آیتوں
کے بعد آئی ہے۔ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً اور
مشرکوں کے مقابلہ میں سب متحد ہو کر لڑو۔ جس طرح وہ سب تمہارے مقابلہ میں
لڑتے ہیں۔

یعنی خدا کے دین کو قائم کرنے کی راہ میں جو مشرک رکاوٹ ڈال رہے ہیں

اگر وہ مادی قوتوں سے تمہارے مقابلہ میں آئیں تو تم پوری اجتماعی قوت کے
ساتھ ان سے جنگ کرو، اور جان کی بازی لگا کر خدا کے دین کو قائم کرو۔

۱۵/۱۶/۹۵

تکمیل دین کا اعلان

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ

رَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ ۳)

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا، اور اپنی

نعمت تم پر تمام کر دی۔ اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی

حیثیت سے پسند کر لیا ہے۔“

خدا کے اس اعلان کا کہ تمہیں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر

دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی، مطلب یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں ضرورت

اور حالات کے مطابق یہ دین آتا رہا، اور ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اس

کے احکام میں جزوی تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ انسانیت علم و خرد کی ترقی

کے لحاظ سے اس مقام پر آپہنچی کہ اُسے آخری اور دائمی شریعت دی جائے

جس کے اصول ایسے عالمگیر، دائمی اور لچکدار ہوں جو ہر دور کے نئے

تقاضوں اور تمام پیش آمدہ حالات پر بخوبی منطبق ہو سکیں، اور جو پوری انسانی

برادری کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہوں۔ چنانچہ آخری رسول کو یہ دائمی شریعت

دے کر دین کی تکمیل کر دی گئی، اور خدا نے یہ آخری نعمت دے کر امت مسلمہ پر

اپنی نعمت تمام کر دی۔ اب رہتی دنیا تک کے لئے نہ کسی دوسری شریعت کی

ضرورت باقی ہے، اور نہ کسی رسول کی رہنمائی درکار ہے۔

ختم نبوت

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَ

خَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (الاحزاب ۴۰)

”لوگو! محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ وہ خدا

کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف

ہے۔“

یعنی اب کار رسالت کو انجام دینے کے لئے کوئی نئے پیغمبر نہ آئیں گے

سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہو چکا ہے، اور اب قیامت تک کے لئے جو بھی

پیغمبروں کی راہ پر چلنا چاہے اس کے لئے ایک ہی راہ ہے کہ وہ آپ ص پر

ایمان لا کر آپ ص کی پیروی کرے۔

اُمّتِ مسلمہ اور اُس کے فرائض

اُمّت کے ظہور کی دُعا

رَبَّنَا اجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ۔

(البقرہ ۱۲۸)

”ہمارے پروردگار! مجھے اور اسماعیل کو اپنا تابع فرمان اور مسلم بنا، اور ہماری اولاد سے ایسی امت کو اکٹھا جو تیری تابع فرمان اور مسلم ہو۔“

یہ وہ دعا ہے جو مرکز توحید کی تعمیر کرتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ نے مانگی تھی۔ خدا نے حضرت کی یہ دعا قبول فرمائی، اور آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ایک ایسی امت کو برپا کیا جو قیامت تک کے لئے تبلیغ دین اور شہادت حق کا وہ فریضہ انجام دیتی رہے گی جو ختم نبوت سے پہلے اپنے اپنے زمانے میں خدا کے پیغمبر انجام دیتے رہے ہیں۔

رسول کی جانشینی

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ
 اٰبِيكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمَّكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا
 يٰكُوْنُ الرَّسُوْلُ شٰهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْنَ شٰهَدًا عَلٰى

الثانیس - (الحج ۷۸)

”اُس نے تمہیں منتخب فرمایا ہے، اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، پیروی کرو اُس دین کی جو تمہارے اپنے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے۔ آپ نے پہلے ہی سے تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں کہ رسول تمہارے لئے دین حق کی شہادت دیں، اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے دین حق کی شہادت دو۔“

آیت پر غور کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ کی وہ دُعا ضرور سامنے رہتی چاہیے جو تعمیر کعبہ کے وقت آپؑ نے زندگی کے آخری لمحات میں والہانہ انداز میں مانگی تھی۔

”پروردگار! مجھے اور اسماعیل کو اپنا مسلم اور فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں ایک ایسی امت کو برپا کر جو تیری مسلم اور فرمانبردار ہو۔ اور دل کی انتہائی گہرائیوں سے کہا تھا۔“ ہمارے پروردگار! ان میں انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اُٹھا جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور ان کی زندگیوں کا تزکیہ کرے۔“

خدا نے اپنے خلیل کی دعا کو قبولیت بخشی، اور ساری دنیا کی رہنمائی کے لئے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا۔ ساتھ ہی آپؑ کی قیادت میں ایک ایسی امت کا بھی انتخاب فرمایا جو رہتی دنیا تک اس سچے دین کی شہادت دیتی رہے، جس کی شہادت زندگی بھر حضرت محمدؐ دیتے رہے۔

کار رسالت کے لئے امت کا انتخاب کرتے ہوئے قرآن نے اجنبیا کا لفظ استعمال کیا۔ اور یہ اجنبیا یا اصطفیٰ کا لفظ عام طور پر قرآن میں انبیاء کے لئے استعمال

کیا گیا ہے۔ امت کے لئے اس لفظ کے استعمال کے معنی یہ ہیں کہ یہ امت اصطلاحی طور پر پیغمبر نہ ہی، لیکن پیغمبرانہ شان ضرور رکھتی ہے، اس لئے کہ اسے پیغمبر کے جانشین کی حیثیت سے وہی پیغمبرانہ فریضہ انجام دینا ہے۔ پھر جس طرح آخری رسول کی آمد کی بشارت مدتوں پہلے سے دی جا رہی تھی۔ اسی طرح اس امت کو بھی اس کے ظہور سے بہت پہلے مسلم کے نام سے نوازا گیا تھا۔ یہ گویا امت کے ظہور سے سیکڑوں سال پہلے ایک بشارت تھی کہ ایک ایسی امت برپا کی جانے والی ہے جو اسلام اور زندگی رب کا زندہ نمونہ ہوگی۔ اسی لئے فرمایا کہ بہت پہلے تمہارا نام مسلم رکھا۔ اور اسی سلسلہ میں لکھا کہ تمہارا یہ انتخاب ایک عظیم مقصد کے لئے ہوا ہے۔ پھر فرمایا: ”تا کہ رسول تم پر دین حق کی گواہی دیں اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے حق کی گواہی پیش کرو۔“ یہ امت کی اصل حیثیت کا اظہار ہے کہ وہ رسول کی جانشین ہے، اور اسے وہی کام انجام دینا ہے جو رسول نے انجام دیا۔ جس طرح آخری رسول نے اپنے قول و عمل اور شب و روز کی زندگی سے خدا کے دین کو واضح کرنے کا حق ادا کر دیا، اٹھیک اسی طرح امت کو بھی دنیا کے سارے ہی انسانوں کے سامنے خدا کے دین کو واضح کرنا ہے اور دین حق کی زندہ شہادت بن کر رہنا ہے۔

امت مسلمہ کی امتیازی حیثیت

وَكذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ

وَيَكُوْنِ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰهِيْدًا۔ (البقرہ ۱۴۳)

”اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ”امت وسط“ بنایا ہے تاکہ تم سارے

انسانوں کے لئے دین حق کے گواہ بنو، اور ہمارے رسول تمہارے لئے

گواہ ہوں۔“

یعنی تمہاری حیثیت عام امتوں کی طرح نہیں۔ تمہیں خدا نے امتِ وسط بنایا ہے اور ایک امتیازی شان بخشی ہے۔ تم انسانوں میں وہ اعلیٰ اور اشرف امت ہو جسے دنیا کی تمام قوموں میں صدر کی طرح رہنمائی کی مرکزی حیثیت حاصل ہے، اور تم ہر افراط و تفریط سے محفوظ، خدا کی سیدھی راہ پر اعتدال کے ساتھ قائم ہو۔ تمہیں خدا نے ”شہدار علی الناس“ کے امتیازی مقام پر سرفراز فرمایا ہے اور تمہیں قیامت تک اسی شان امتیاز کے ساتھ دنیا میں رہنا ہے۔

امت کا حقیقی منصب

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَكُومِنُونَ بِاللَّهِ - (آل عمران)

”تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔

تم بھلائی کا حکم دیتے ہو، اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہو۔“

یعنی امت مسلمہ فکر و عمل کی امتیازی خوبیوں میں دنیا کی تمام قوموں اور جماعتوں میں ایک ”بہترین امت“ ہے۔ یہ زندگی کے میدان میں یونہی معمول کے مطابق نہیں آتکلی ہے، بلکہ اسے ایک عظیم مقصد کی خاطر نہایت اہتمام سے برپا کیا گیا ہے۔

”اسے سارے انسانوں کے لئے وجود میں لایا گیا ہے“ یعنی اسے سارے

انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اٹھایا گیا ہے۔ اور اب رہتی زندگی تک

تمام انسانی جماعتوں کی پیشوائی اور امامت کا فریضہ اسی کو انجام دینا ہے۔
 ”تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے روکتے ہو“ یعنی تمہارا کام محض وعظ و نصیحت اور انذار و تنبیہ نہیں ہے۔ بلکہ تم نیکی کے آمر اور حاکم بنائے گئے ہو تمہارا حقیقی منصب یہ ہے کہ تم ایک غالب جماعت بن کر رہو، اور اپنی سیاسی قوت کے ذریعہ نیکی کو پروان چڑھاؤ، اور برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو۔

امت کا نصب العین اقامتِ دین

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا
 إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا
 الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط (الشوریٰ ۱۳)

”مسلمانو! خدا نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوح ۴ کو کی تھی۔ اور جس کی وحی اے رسول! ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم ۴ اور موسیٰ ۴ اور عیسیٰ ۴ کو دے چکے ہیں کہ اس دین کو قائم کرو۔ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔“
 اس آیت کو پوری طرح سمجھنے کے لئے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

۱۔ ان پانچ پیغمبروں کے ذکر کی وجہ ۱

۲۔ دین کا حقیقی مفہوم۔

۳۔ اقامت کا مطلب۔

۴۔ امت کا نصب العین۔

آیت میں جن پانچ جلیل القدر پیغمبروں کا ذکر ہے ان میں سب سے پہلے

حضرت نوحؑ ہیں جو طوفان کے بعد انسانیت کے اولین پیغمبر تھے، ان کے بعد سب سے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ پھر درمیان کے سلسلہ نبوت میں سے تین اہم ترین پیغمبروں کا ذکر ہے، جن میں حضرت ابراہیمؑ، تو وہ ہیں جن کی عظمت اور پیشوائی پر سب ہی متفق ہیں۔ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی اہمیت یہ ہے کہ دنیا کی دو عظیم ملتیں یہود و نصاریٰ ان کی طرف خود کو منسوب کرتی ہیں۔

سلسلہ نبوت کے ان پانچ اہم ترین پیغمبروں کے ذکر سے بتانا یہ مقصود ہے کہ خدا کی طرف سے جتنے بھی رسول آئے، ان سب کا نصب العین یہی تھا کہ خدا کے دین کو قائم کریں۔ سب سے پہلے رسول کو بھی اسی کی وصیت کی گئی تھی، اور سب سے آخری رسول کو بھی اسی کی وحی بھیجی گئی، اور درمیان کے ان تین عظیم پیغمبروں کو بھی اسی کی وصیت کی گئی جن کی رہنمائی اور نبوت کو تقریباً پوری دنیا تسلیم کرتی ہے۔ لہذا امت کا فرض ہے کہ وہ پورے یقین اور شرح صدر کے ساتھ اس نصب العین کو اپنا فریضہ حیات سمجھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دین کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ دین سے مراد تو حیدر رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد بھی ہیں جو ہمیشہ سے انبیاء کی تعلیم میں متفق علیہ رہے ہیں، اور وہ احکام شریعت بھی جو حالات، اور ضرورت کے تحت مختلف انبیاء کے زمانوں میں بدلتے رہے ہیں۔ قرآن کی تصریحات کے مطابق دین دراصل وہ مکمل نظام زندگی ہے جو عقائد اور عبادات، تعلیم

و اخلاق، تہذیب و ثقافت، معیشت و معاشرت اور قانون و سیاست،
غرض زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا
نہیں جو اس کی رہنمائی سے خارج ہو۔

تیسری بات لفظ اقامت ہے۔ اقامت کا لفظ جب مادی چیزوں کیلئے
بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ کھڑا کر دینا۔ اور جب یہ لفظ غیر مادی
چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے، اس چیز پر کما حقہ
عمل کرنا، اور اس کا پورا پورا حق ادا کرنا۔ دین کی اقامت سے مراد ہے، دین
پر کما حقہ عمل کرنا، اور اس کا پورا حق ادا کرنا۔
چوتھی بات، امت کے نصب العین کی ہے۔

آیت میں خطاب مسلمان امت سے ہے اور کہا گیا ہے۔ تمہارے لیے وہی
طریقہ مقرر کیا گیا ہے جس کی تاکید تمام پیغمبروں کو کی گئی تھی کہ دین کو قائم کرو۔ لہذا
امت کا نصب العین قرآن قطعی طور پر یہ قرار دیتا ہے کہ وہ کامل یکسوئی اور اخلاص
کے ساتھ پورے دین کی پیروی کرے، اور عملاً اسے نافذ اور قائم کرے۔ جو بنیادی
عقائد، اصول اخلاق اور انسانی زندگی سے متعلق تمام ہی آسمانی ہدایات پر مشتمل
ہے۔

اس حقیقت کی فیصلہ کن دلیل جو خدا کا راہ اسلام کے دلوں میں یقین کی ٹھنڈک
پیدا کرتی ہے وہ آخری رسول کا تیسبیس سالہ روشن دور ہے۔ اس دور سعادت میں آنے
عقائد و اخلاق کی تعلیم بھی دی۔ عبادت کے طریقے بھی سکھائے، قرآنی ہدایات کے مطابق انسانی
سماج کی تعمیر بھی کی اور انسانی زندگی کو منظم کرنے والی ایک بابرکت اسٹیٹ بھی قائم فرمائی۔

دعوتِ اسلام اور سیاسی اقتدار

اسلام ایک جامع اور ہمہ گیر دین ہے، اس کی رہنمائی اور ہدایت سے زندگی کا کوئی گوشہ خارج نہیں ہے۔ سیاست و حکومت کے بارے میں نہ صرف یہ کہ اسلام روشن ہدایات اور احکام دیتا ہے، بلکہ اس کو اپنا ایک لازمی نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اور اس بات کو ایمان کے منافی سمجھتا ہے کہ سیاست و حکومت کو خدا کی ہدایت سے بے نیاز رکھا جائے۔

قرآن کے نزدیک حکومت اور اقتدار صرف خدا کا حق ہے اور وہ صرف اسی سیاسی نظام کو جائز اور برحق مانتا ہے جس میں اقتدار اعلیٰ خالص خدا کا حق تسلیم کیا گیا ہو۔ پھر اسلامی احکام و ہدایات کا ایک اہم حصہ وہ ہے جس کی پوری پوری پیروی اسی وقت ہو سکتی ہے جب اسلام کو اقتدار حاصل ہو۔ حکومت اور اقتدار کے بغیر یہ سارے احکام بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا سیاسی اقتدار محض سماجی نظام کو سدھارنے اور انسانی مسائل کو حل کرنے کا بے مثال ذریعہ ہی نہیں بلکہ وہ ایک دینی ضرورت، ایسانی تقاضا اور اسلامی فریضہ ہے۔

اقتدار اعلیٰ

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ۝ (الانبیاء ۲۳)

”وہ جو کچھ بھی کرے اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں، اور ان سب سے

باز پرس ہوتی ہے۔“

اقتدار اعلیٰ اپنے کاموں کے لئے کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہوتا۔ اور سب ہی اس کے آگے اپنے کاموں کے لئے جوابدہ ہوتے ہیں۔ اور یہ حیثیت صرف کائنات کے خالق و مالک کو حاصل ہے۔

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لِمَنْ يَّحْكُمُ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ حَكْمٌ - (الرعد ۴۱)

”اللہ ہی فیصلہ کرتا ہے، اور اس کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔“

اقتدار اعلیٰ خدا ہی کا حق ہے

قُلْ لِيْسَ مِنَ الْاَرْضِ مَنْ وَّمِنْ فِیْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؕ سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ
 قُلْ اَفَلَا تَدَّكُرُوْنَ ؕ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ
 الْعَظِيْمِ ؕ سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ؕ قُلْ مَنْ اَبْدَا مَلَكُوْتُ
 كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ جٰئِرٌ وَّلَا يَجٰرُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؕ سَيَقُولُوْنَ
 لِلّٰهِ ط قُلْ فَاَنْتِ تُسْحَرُوْنَ ؕ (المومنون ۸۳-۸۹)

”ان سے کہیے، بتاؤ اگر تم سمجھ سے کام لینے والے ہو، یہ زمین اور اس کی
 ساری آبادی کس کی ملکیت ہے؟ یہ کہہ اٹھیں گے اللہ کی۔ ان سے پوچھئے ساکھو
 آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ کہہ اٹھیں گے، اللہ! کہیے پھر تم
 اس کا خوف کیوں نہیں رکھتے؟ ان سے کہیے بتاؤ اگر تم سمجھ سے کام لینے والے
 ہو، کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے وہ جو پناہ دیتا ہے اور کوئی
 نہیں جو اس کے مقابلے میں پناہ دے سکے۔ یہ پکار اٹھیں گے کہ یہ حق تو

اللہ ہی کا ہے۔ کہیے پھر تم کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہو؟“

خدا کے اقتدار میں کوئی شریک نہیں

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وِثْرٌ مِنَ الدُّنْيَا

وَكَبْرَةٌ تَكْبِيرًا (نبی اسرائیل ۱۱۱)

”نہ کوئی اس کے اقتدار میں شریک ہے، اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی

اس کا مددگار ہو۔ اس کی بڑائی بیان کرنا کمال درجے کی بڑائی“

خدا عیوب سے پاک ہے

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقَدُّوْسِ

الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (المجموعہ ۱)

”خدا ہی کی پاکی بیان کر رہی ہے وہ تمام مخلوق جو آسمانوں میں ہے

اور وہ تمام مخلوق جو زمین میں ہے۔ حقیقی بادشاہ، عیوب سے پاک، سب

پر غالب، دانائی کا سرچشمہ“

یہ ساری کائنات جس کی پاکی بیان کر رہی ہے وہی ان کا حقیقی فرماں روا ہے،

وہی فرمانروائی کی تمام بنیادی صفات کا سرچشمہ ہے، اور کوئی ایسی طاقت نہیں جو

ان صفات میں اس کی شریک ہو۔ انسان پر حکومت کرنے اور انسان کے لئے قانون

زندگی بنانے کا حق اسی ہستی کو حاصل ہے جو تمام کمزوریوں اور عیبوں سے پاک ہو،

جو دانائی کا سرچشمہ ہو، اور جو سب پر غالب ہو، اور کوئی اس کے قبضہ قدرت سے

باہر نہ ہو۔

حکومتِ خدا ہی کی ہے

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ط أَمْرٌ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاَهُ ط ذَالِكَ

الدِّيْنِ الْقَيِّمُ - (یوسف ص ۲۰)

”حکومتِ خدا ہی کی ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ اُس کے سوا کسی کی

بندگی نہ کرو۔ یہی ہے سیدھا سچا دین“

سیاسی اقتدار ایک نئی ضرورت

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجِ

صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل ص ۸۰)

”اور دعا کیجئے کہ پروردگار! مجھے جہاں بھی تولے جا سچائی کے ساتھ

لے جا، اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنے پاس

سے زور و اقتدار کو میرا مددگار بنا دے“

یعنی خدا کی سر زمین میں جہاں بھی میں رہوں، سچائی اور حق ہی میرا حقیقی مقصود ہو۔

میں کہیں سے نکلوں تو اسی کی خاطر، اور کہیں پہنچوں تو اسی کی خاطر۔ اور اس مقصد

کے حصول کے لئے قوت و اقتدار کو میرا پشت پناہ بنا دے۔ دراصل سیاسی

اقتدار ہی حق اور راستی کو قائم کرنے اور باطل کو ختم کرنے کا سب سے بڑا اور مؤثر

ترین ذریعہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”خدا حکومت کی طاقت

سے اُن چیزوں کا سدباب کر دیتا ہے جن کا سدباب قرآن کے ذریعے

نہیں کرتا“

اسلامی اقتدار کی اہمیت

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا
لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدہ: ۵۰)

”کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں؟ اور جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے

ہیں ان کے لئے اللہ سے بہتر حکم دینے والا اور کوئی نہیں۔“

یعنی اللہ کے حکم کے مقابلہ میں ہر حکم جاہلیت کا حکم ہے جس کی بنیاد محض گمان

وہم اور قیاس پر ہے۔ خدای کا حکم انسانی زندگی کے ہر گوشے میں صحیح رہنمائی کرتا ہے

اور صحیح طرز عمل کی ہدایت دیتا ہے۔ کیونکہ خدای علم و حکمت کا واحد سرچشمہ ہے۔

اسلامی اقتدار بعثت رسول کا مقصود

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى

الدِّينِ كُلِّهِ۔ (التوبہ: ۳۳)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو حقیقی ہدایت اور دین حق کے

ساتھ بھیجا، تاکہ اس دین کو وہ تمام دینوں پر غالب کر دے۔“

یعنی آخری رسول کی بعثت کا اصل مقصود ہی یہ ہے کہ اسلام ایک غالب نظام

بن کر رہے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں خدای کا دین قائم اور نافذ ہو۔

حق و باطل کی کشمکش

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبَادِنَا ۗ لَوَآدُّنَا

أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ آلًا تَحْدُثُ لَهُ مِنْ لَدُنَّا أَنْ كُنَّا فَاعِلِينَ ۗ بَلْ

نَقَدَاتٍ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدَا مَعَهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط (الانبیاء)

”اور ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان میں ہے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنایا ہے۔ اگر ہم کوئی کھلونا بنانا ہی چاہتے اور بس یہی کچھ ہمیں کرنا ہوتا تو اپنے ہی پاس سے کر لیتے۔ مگر ہم تو حق کو باطل سے ٹکراتے ہیں جو باطل کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے مٹ جاتا ہے“

یعنی یہ عظیم کائنات نا سمجھ بچوں کا کوئی گھروندا نہیں ہے، بلکہ ایک عظیم حکیم خدا کا بنایا ہوا با مقصد کارخانہ ہے۔ اگر ہمیں کھیلنا ہی ہوتا تو کھلونے بنا کر ہم خود ہی کھیل لیتے۔ حق و باطل کے درمیان یہ دائمی کشمکش، خیر و شر کے درمیان یہ ٹکراؤ اور ذمی عقل و ذمی حس انسانوں کے درمیان یہ کشمکش کبھی نہ ہوتی۔ دراصل حق و باطل کی اس ختم نہ ہونے والی کشمکش میں انسان کی آزمائش مقصود ہے۔ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۗ اور ہم تمہیں خیر و شر کے ذریعے آزمانا چاہتے ہیں“

اہل باطل کی خواہشات

حق کا چراغ بجھا دیں

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (الصف ۸)

”اہل باطل چاہتے ہیں کہ خدا کی روشنی کو اپنی پہونکوں سے بجھا دیں۔

مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا اپنی روشنی کو درجہ کمال تک پہنچا کر رہے گا، اگرچہ

باطل پرستوں کو برا لگے“

اہل حق کو باطل کی طرف پھیر لے جائیں

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ -

(البقرہ ۱۲۵)

”اور یہ یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا قَرِيبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا

الْكِتَابَ يُرَدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرًا ۚ (آل عمران ۱۰۰)

”اے مومنو! اگر تم نے ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی

تھی، کسی ایک گروہ کی بات بھی مانی تو یہ تمہیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے“

یعنی حق و باطل کی کشمکش دائمی ہے۔ حق کی فطرت یہ ہے کہ وہ باطل پر غالب ہو کر رہے۔ اور باطل کی کوشش یہ ہے کہ وہ حق کی روشنی کو پھیلنے نہ

دے۔

دین حق میں رد و بدل کا مطالبہ

وَإِذَا تَشَلَّىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ

لِقَاءَنَا أَنتَ يَقْرَأُ بِغَيْرِ هَذَا أَوْ بَدَّلَهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ

أَبْدِلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ (رؤس)

”اور جب انہیں ہماری صاف صاف آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی

ہیں، تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کا یقین نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس

قرآن کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی میں کچھ رد و بدل کر دو۔
 اے رسول! ان سے کہہ دیجئے، میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف
 سے اس میں کچھ رد و بدل کروں۔ میں تو بس اسی وحی کا پیرو ہوں جو میرے
 پاس بھیجی جاتی ہے۔“

یعنی یہ کتاب میری تصنیف تو نہیں کہ میں اس میں رد و بدل کروں
 یہ تو خدا کی بھیجی ہوئی آسمانی کتاب ہے، اور میں نہ صرف تمہیں اس کی پیروی
 کی دعوت دیتا ہوں بلکہ خود میں بھی اسی کا پیرو ہوں۔

کشاکش میں اہل حق کی ذمہ داری

حق پر جسے زہر

فَلِذَا لِكَ فَادَعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ
 وَقُلْ أَمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ۔
 (الشوریٰ ۱۵)

”پس اے رسول! انہیں اسی حق کی دعوت دیتے رہئے۔ اور آپ کو
 جو حکم دیا گیا ہے اسی پر جسے رہئے۔ اور ان کی خواہشوں کو ہرگز نہ مانئے۔
 اور کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو کتاب نازل فرمائی ہے، میں اس پر ایمان رکھتا
 ہوں۔ اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔“
 یعنی اہل باطل کی خواہشات کچھ بھی ہوں، اہل حق کا منصب یہ ہے کہ وہ
 برابر حق کی دعوت پیش کرتے رہیں، حق پر مضبوطی کے ساتھ جسے رہیں۔ اور صاف

صاف کہہ دیں کہ ہم خدا کی نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لائے ہیں۔ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم انسانی سوسائٹی میں عدل و انصاف قائم رکھیں اور کوئی طاقت ہمیں اپنے منصب اور مقام سے نہیں ہٹا سکتی۔
خدا سے تعلق مضبوط رکھو

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُثَلِّىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتِ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولٌ
وَمَنْ يَعْصِمِ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (آل عمران ۱۰۱)
”اور تمہارے لئے کفر کی طرف پھرنے کا اب کیا موقع جب کہ تمہیں خدا
کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان خود اس کے رسول
تشریف فرما ہیں۔ اور جس نے خدا کے دامن کو مضبوط تمام لیا وہ سیدھی
راہ پر لگ گیا“

یعنی ایمان لانے کے بعد بھلا پھر کفر کی دلدل میں جا پھرنے کا کیا موقع اور بالخصوص
اس حالت میں جب کہ خدا کے رسول بہ نفس نفیس تمہارے درمیان موجود ہوں، اور
تمہیں خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنارہے ہوں۔ البتہ کشمکش کے سنگین دور میں حق پر
جسے رہنے کی صورت صرف یہی ہے کہ اللہ کے دامن کو مضبوط تھامے رہو، اسی کو حقیقی
سہارا سمجھو، اس کے دامن میں پناہ ڈھونڈو، اس کے احکام کی مخلصانہ پیروی کرو،
اس کی نافرمانی سے بچو، اور اسی سے دعائیں مانگتے رہو۔

اہل کفر کے آگے ہرگز نہ جھکو

وَلَا تَرْكُؤْا إِلَى الدِّينِ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ
دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝ (ہود ۱۱۳)

”اور ان ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا، ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا حمایتی نہ مل سکے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے۔ اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی۔“

اہل کفر سے ہوشیار رہو

وَاحْذَرُهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ط -

(المائدہ ۴۹)

”اور ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنے میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ

برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔“

اہل کفر کو دوست نہ بناؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ

الْمُؤْمِنِينَ ه (النساء ۱۳۲)

”ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔“

مومن انسانی حقوق ادا کرنے میں بڑا فیاض اور فراخ دست ہوتا ہے لیکن اس

کی دلی محبت اور رفاقت صرف مومنین کے لئے ہوتی ہے۔

فتنہ کا سدباب کرو

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كَمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ (الانفال ۳۹)

”اور ان باطل پرستوں سے برابر لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے“

اور دین پورا کا پورا خدا کے لئے ہو جائے۔“

فتنہ سے مراد ظلم و جبر اور فساد و سرکشی کی وہ حالت ہے جس میں انسان خدا کے

سوا دوسروں کی اطاعت میں گرفتار ہو، اور خدا کے بندے خدا کی مخلصانہ بندگی نہ کر سکیں۔۔۔۔۔ اہل حق کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس فتنہ کو مٹانے کے لئے برابر اہل باطل سے لڑتے رہیں، اور اسی وقت چین سے بیٹھیں جب دین پورا کا پورا خدا کے لئے ہو جائے، اور وہ نظام حق قائم ہو جائے جس کی بنیاد محض خدا کی اطاعت پر ہے۔ اور ہر وہ فتنہ و فساد، ظلم و جبر، اور نظام باطل مغلوب اور بے اثر ہو جائے جو خدا کے بندوں کو خدا کی بندگی سے روکنے والا ہو۔

اقامتِ دین کے اصول و احکام

اقامتِ دین کی جس عظیم ذمہ داری پر یہ امت مامور کی گئی ہے۔ قرآن نے تفصیل کے ساتھ اس کے اصول و احکام بھی بیان کئے ہیں، اور پیغمبروں کی تاریخ سے اس راہ کے ایک ایک مرحلہ کو بھی واضح کیا ہے۔

تعمیرِ سیرت

دین کو قائم کرنے کا نصب العین لے کر اٹھنے والوں کے لئے قرآن حکیم کی اولین ہدایت یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی ذات پر دین کو قائم کریں اور سیرت و کردار کے ہر گوشے میں اسلام کا سچا نمونہ بن کر رہیں۔

ایمان کامل

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمْ
الصَّادِقُونَ (الحجرات ۱۵)

مومن تو حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر
ایمان لائے اور ایسا ایمان لائے کہ پھر انہیں کوئی شک اور تذبذب
نہ رہا، اور وہ برابر لڑتے رہے خدا کی راہ میں اپنی جانوں سے اور اپنے مال

سے۔ دراصل یہی لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں۔

اس راہ کا اصل سرمایہ ایمان کامل ہے۔ اس کے بغیر نہ اس راہ میں چلنے کا سوال پیدا ہوتا ہے، نہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ ایمان کامل درحقیقت وہی ہے جس پر شک اور تذبذب کا سایہ بھی نہ پڑا ہو۔ ایسا ہی ایمان مومن میں یہ جو صلہ ابھارتا ہے کہ وہ اپنی جان و مال سب کچھ خدا کی راہ میں جھونک دیتا ہے۔

مخلصانہ عبادت

وَمَا أَمْرٌ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ
وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (البینہ ۵)

”اور ان کو حکم دیا گیا تھا تو صرف یہ کہ یکسوئی کے ساتھ خدا کی مخلصانہ

عبادت کریں۔ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں۔ یہی سیدھا سچا دین ہے۔“

ایمان کے بعد مومن کا محبوب عمل خدا کی مخلصانہ عبادت ہے۔ عبادات سے شفقت کے بغیر مومن نہ دین کی راہ میں جم سکتا ہے، نہ آگے بڑھ سکتا ہے۔ عبادات ہی سے ایمان کا اظہار بھی ہوتا ہے، اور عبادات ہی سے ”ایمان“ کو زندگی کی قوت بھی ملتی ہے۔

اقامتِ صلوة اور خدا سے وابستگی

هُوَ سَتُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ
شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ط (الحج ۷۸)

”اس نے پہلے ہی سے تمہارا نام مسلم رکھا تھا، اور اسی کام کے پیش نظر تاکہ رسول تم پر گواہ بنیں اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔ پس نماز قائم کرو،

زکوٰۃ ادا کرو۔ اور اللہ سے تعلق مضبوط رکھو۔“

مسلم ہر وہ شخص ہے جو خدا کے دین کو مان کر خدا کی مکمل اطاعت میں اپنے آپ کو دے دے۔ اور فکر و نظر، عقیدہ و عمل، اخلاق و کردار اور سلوک معاملہ، غرض پوری زندگی میں قانون الہی کی بالائری تسلیم کر کے اس کی مکمل پیروی کرے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے وہ تمام انسان مسلم ہی تھے۔ جو کسی بھی نبی پر ایمان لا کر، اور کسی بھی خدائی دین کو مان کر اس کی پیروی کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ آخری امت خصوصیت کے ساتھ ”امت مسلمہ“ کے لقب سے اور اس کے افراد مسلم کے خطاب سے اس لئے نوازے گئے کہ ان کے اندر یہ صفت ”اسلامیت“ بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ اور ان کو اس دین کا حامل بنایا گیا ہے، جس کا خطاب پوری انسانیت سے ہے جو پوری زندگی کا قانون ہے، اور جو اب رہتی دنیا تک کے لئے آخری مستند دین ہے۔

اس گراں ترین ذمہ داری پر جو امت فائز کی گئی ہے۔ اور ”امت مسلمہ“ کے عظیم ترین خطاب سے نوازی گئی ہے۔ اس کو تین بنیادی اور امتیازی اعمال کی تاکید کی گئی ہے، اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ تمہارے منصبی اعمال ہیں۔ ”اقامت صلوٰۃ“ ”ادائے زکوٰۃ“ اور ”اعتصام باللہ“

خدا کو اپنا معبود جان کر اس کا قرب چاہنا، اسی سے دعائیں مانگنا، اسی کی پناہ ڈھونڈنا، اسی کے احکام کی مخلصانہ اطاعت کرنا، اس کی نافرمانی سے بھاگنا، اور ہر حال میں اسی پر بھروسہ رکھنا۔ اسی کیفیت کا نام اعتصام باللہ ہے۔

یہ روحانی کیفیت نماز کے بغیر بر گزیدہ نہیں ہو سکتی۔ نماز ہی بندے

کو خدا کا قرب بخشتی ہے۔ اس پر پھر دوسرے کی قوت پیدا کرتی ہے اور اس کی طرف بڑھنے اور اس کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اور ایک ایسا شخص ہی شہادتِ علی الناس کا گراں قدر فریضہ انجام دے سکتا ہے جس میں یہ روحانی قوت اور ایمانی کیفیت پائی جائے۔ نماز شہادتِ علی الناس کے لئے تیار رکھنے والا ایک منصفی عمل بھی ہے اور بطور خود دین حق کی شہادت بھی تصور نہیں کیا جاسکتا کہ ان بنیادی اعمال کے بغیر امتِ مسلمہ شہادتِ علی الناس کی ذمہ داری پوری کر سکے۔ اور پھر نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ وہ کون سا عمل ہوگا جو امتِ مسلمہ انجام دے گی۔ جسے انجام دے کر وہ خود بھی بندگی رب کا حق ادا کرے گی۔ اور دوسروں کو بھی خدا کی بندگی کے لئے تیار کرے گی۔

کامل پیروی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادَّخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ (البقرہ ۲۰۸)

”مومنو! تم پوری طرح سب مل کر اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان

کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن

ہے۔“

یعنی ہر معاملہ میں اسلام کی کامل پیروی کرو۔ اسلام ہی سلامتی اور عافیت

کا گہوارہ ہے، اور زندگی کے کسی گوشے میں بھی اسلام سے ہٹ کر شیطان کی

پیروی نہ کرو۔

پاکیزہ کردار

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا

وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ (آل عمران ۱۰۲)

”ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، جیسا کہ اس سے تقویٰ کرنے کا

حق ہے۔ اور دیکھو تمہیں موت آئے تو اسی حال میں آئے کہ تم مسلم اور

فرمانبردار ہو۔“

یعنی جب تم ایمان کے لقب سے متصف ہوئے ہو تو تمہیں چاہیے کہ مرتے

دم تک تقویٰ اور اطاعت کے جوہروں سے اپنے کردار کو پاکیزہ سے پاکیزہ

تر بنانے کی کوشش برابر جاری رکھو۔

آزمائشوں میں صبر و ثبات

وَلَنْبَلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ

الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَالصَّابِرِينَ ۗ الَّذِينَ

إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

(البقرہ ۱۵۵، ۱۵۶)

”اور ہم تمہیں خوف و خطر، فقر و فاقہ، جان و مال کی تباہی اور سپرداؤ

کے نقصانات میں مبتلا کر کے ضرور آزمائیں گے۔ اور بشارت ان لوگوں کو

دیجئے جو ان حالات میں صبر و ثبات سے کام لیں۔۔۔۔۔ یہ وہ لوگ ہیں

کہ جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو یہی کہتے ہیں کہ ”ہم خدا ہی کے ہیں“

اور ہمیں خدا ہی کی طرف پلٹنا ہے۔“

آزمائشوں کی حکمت و غرض

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ ۝ (العنكبوت ۲۹)

”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ”ہم ایمان لائے“ اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم نے ان سب لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اللہ تو یہ دیکھ کر رہے گا کہ تم میں کون اپنے ایمان میں سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں۔“

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ
جَاهِدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ (آل عمران ۱۴۲)

”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے وہ کون ہیں جو اللہ کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر و شجاعت دکھانے والے ہیں۔“

یعنی جو لوگ بھی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، اور خدا کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں خدا ان کو مختلف قسم کی آزمائشوں سے لازماً گزارنا ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کون اپنے دعویٰ ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔

اتحاد قول و عمل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ (الصف ۲)

”اے ایمان والو! وہ بات تم کیوں کہتے ہو جس کو تم کرتے نہیں ہو؟“

یعنی جن باتوں کو تم دوسروں کے سامنے پیش کرو، خود تمہارا عمل بھی اس کے مطابق ہونا چاہیے، تب ہی تمہاری بات میں وزن ہوگا اور اسے لوگ قبول کر سکیں گے۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ - (البقرہ ۴۴)

”کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو؟“

جو شخص خود کو بھلا کر دوسروں کو نیکی کی دعوت دیتا ہے وہ زبردست جاہل اور انتہائی نادان ہے، اپنا بھی دشمن ہے اور اپنے دین کا بھی۔ خود تو وہ دین کی برکتوں سے محروم ہے ہی دنیا بھی اس کی نصیحت سے کوئی اثر نہ لے گی۔

عملی نمونہ کی اہمیت

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَيْتُمْ عَنْهُ - (ہود ۸۸)

”اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں،

خود ان باتوں کو کرنے لگوں۔“

یعنی اس دعوت کے سچا ہونے کی سب سے بڑی دلیل اور زندہ شہادت یہ ہے کہ میں خود بھی اس پر پوری طرح عمل کر رہا ہوں۔ آدمی دوسرے کا خیر خواہ ہو یا نہ ہو، اپنا خیر خواہ یقیناً ہوتا ہے۔

ذکر و فکر

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخَلْقِ الْآيَاتِ لِلَّذِينَ يَتَذَكَّرُونَ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قِيَامًا وَتَعُودًا

وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا

مَا خَلَقْتَ هَذَا اِبَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا هَذَا اَبِ النَّاسِرِ ۝

(ال عمران ۱۹۰، ۱۹۱)

”بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، اور رات دن کے آنے جانے میں بہت نشانیاں ہیں ان عقل والوں کے لئے جو اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے۔ (ہر حال میں) اور غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، (جو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں) — پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا تو پاک ہے اس سے کہ عبت کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے“

سیرت کی تعمیر کے لئے ضروری ہے کہ داعی دنیا میں غافلوں کی سی زندگی نہ گزارے بلکہ کائنات کی نشانیوں پر سوچتا رہے، اور حقیقت کو پانے کی برابر کوشش کرتا رہے۔ اور اس خدا کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو جس نے اس کائنات کو انتہائی حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ خدا کی یاد کے بغیر غور و فکر بے نتیجہ ہے۔ اور غور و فکر کے بغیر خدا کی یاد میں گہرائی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے داعی حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذکر اور فکر دونوں کا اہتمام رکھے۔

قرآن میں تدبیر

كُتِبَ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مَبَارَكًا لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ

اُولُو الْاَلْبَابِ ۝ (ص ۲۹)

”یہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے سزا سزا برکت ہے، تاکہ

لوگ اس کی آیتوں میں غور و تدبیر کریں، اور عقل سلیم رکھنے والے اس سے سبق حاصل کریں۔“

خدا کی کتاب جو ہدایت و عبرت کا واحد سرچشمہ ہے، اس لئے نازل ہوئی ہے کہ عقل و خرد والے اس میں غور و تدبیر کریں، اور اس کی رہنمائی میں زندگیوں کی تعمیر کریں۔ خدا کے دین کو وہی لوگ قائم کر سکتے ہیں جن کے غور و فکر کا مرکز اور دلچسپی کا محور خدا کی کتاب ہو۔

نظامِ جماعت

دینی اجتماعیت کی اہمیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ
 إِنَّ اسْتَحْبَبُوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاُولَئِكَ
 هُمُ الظَّالِمُونَ (التوبہ ۲۳)

”اے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ
 ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے وہی لوگ ظالم ہیں۔“
 بلاشبہ باپ اور بھائی کا رشتہ قریب ترین رشتہ ہے، اور ان سے قلبی لگاؤ اور محبت ایک فطری بات ہے۔
 لیکن دین کی بنیاد پر جو اجتماعیت وجود میں آتی ہے اس کے نزدیک اصل رشتہ ایمان و اسلام کا رشتہ ہے۔ اسی
 لئے فرمایا گیا کہ اگر تمہارے باپ اور بھائی بھی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں تو پھر تمہارے دلوں میں ان کیلئے
 محبت و رفاقت کے جذبات ہرگز نہ ہونے چاہئیں۔ یہ بڑا ظلم ہوگا کہ تم خدا پر ایمان بھی لاؤ اور خدا کے دشمنوں کو عزیز بھی رکھو۔
 لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ
 اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ
 أَوْ عَشِيرَتَهُمْ - (مجادلہ ۲۲)

”تم اس گروہ کو جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہے ان لوگوں سے محبت
 اور الفت کرتے نہ دیکھو گے جو خدا اور اس کے رسول کی دشمنی اور مخالفت پر کمر بستہ

ہوں، چاہے وہ اس کے اپنے ہی باپ یا اپنے ہی بیٹے یا اپنے ہی بھائی یا
اپنے خاندان والے کیوں نہ ہوں۔“

اجتماعیت کی بنیاد

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ
اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ

مِّنْهَا - (ال عمران ۱۰۳)

”تم سب مل کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور الگ الگ فرقے
نہ بن جانا، اور خدا کے اس احسان کو یاد رکھنا، جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم
ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے، اور تم
اس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے
ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔“

خدا کی رسی سے مراد اسلام ہے۔ اسلام ہی خدا کا وہ عظیم احسان ہے جس
کی بدولت صدیوں سے خانہ جنگی میں مبتلا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے
قبیلے آپس میں شیر و شکر ہو گئے اور ان میں بے مثال دینی اخوت قائم ہو گئی۔
قرآن کے نزدیک مسلمانوں کی عالمگیر وحدت و اخوت کی بنیاد صرف
اسلام ہے۔ اس لئے وہ محض اجتماعیت اور اتحاد کی تاکید نہیں کرتا ہے بلکہ اس
اجتماعیت اور اتحاد کی تاکید کرتا ہے جس کی بنیاد اسلام ہو۔ اسلام کے سوا کوئی بھی
بنیاد مسلمانوں کو جوڑنے والی نہیں، بلکہ پارہ پارہ کر دینے والی ہے۔

مشالی اجتماعیت

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانَتْهُمْ بَيْنًا
فَسْ صُوصُ - (الصف ۴)

”بلاشبہ خدا ان لوگوں کو اپنا محبوب بناتا ہے جو اس کی راہ میں اس
استقلال کے ساتھ صفت باندھے لڑتے رہتے ہیں گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی
دیوار ہیں“

جماعت میں باہمی برتاؤ

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ - (الفتح ۲۹)

”آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے“
أَذَلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ - (المائدہ ۵۴)
”مومنوں کے حق میں نہایت نرم“

یعنی اسلامی جماعت کے افراد ایک دوسرے کے لئے سراپا رحم اور انتہائی
نرم ہوتے ہیں۔

باہمی تلقین

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر)

”زمانہ گواہ ہے کہ انسان گھائے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے
جو ایمان لائے اور جو عمل صالح کرتے رہے، اور جو ایک دوسرے کو دین
حق کی وصیت کرتے رہے اور صبر و ثبات کی تلقین کرتے رہے“

باہمی تعاون

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ - (المائدہ ۲۸)

”اور نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے

رہنا“

یعنی اسلامی جماعت کے افراد میں خود غرضی اور نفسا نفسی نہیں ہوتی بلکہ وہ
نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں۔

خوشگوار تعلقات

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ - (الانفال ۱)

”پس اللہ سے ڈرو، اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو“

گروہ بندی سے بچنے کی تاکید

وَلَا تَفَرَّقُوا - (آل عمران ۱۰۳)

”اور الگ الگ فرقے نہ بن جانا“

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ

رِيحُكُمْ - (الانفال ۳۶)

”اور اللہ اور اس کے رسول کے کہنے پر چلو اور آپس میں لڑو جھگڑو

نہیں، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی“

امیر کی اطاعت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي

الْأَمْرِ مِنْكُمْ - (النساء ۵۹)

”مؤمنو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس رسول کی، اور

اُن اصحاب امر کی جو تم میں سے ہوں۔“

خدا اور رسول کی اطاعت کے بعد تیسری اطاعت جو اسلامی نظام میں

مسلمانوں پر واجب ہے وہ اُن اصحاب امر کی اطاعت ہے جو مسلمانوں کے کسی بھی اجتماعی معاملہ کے ذمہ دار بنائے گئے ہوں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ خوشدلی کے ساتھ ان کی اطاعت کریں چاہے ان امرار کے احکام ان کی مرضی کے مطابق ہوں یا ان کی مرضی کے خلاف۔

البتہ ان امرار کی اطاعت کے کچھ حدود و شرائط ہیں۔

پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ مسلمان ہوں۔ جیسا کہ ”مِنْكُمْ“ (وہ تم میں سے ہوں)

کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ خود بھی خدا اور رسول کے فرمانبردار ہوں، جیسا کہ قرآن کے خطاب سے ظاہر ہے ”ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو“ بلاشبہ اس خطاب میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مسلمانوں کے ذمہ دار ہیں۔

اور اطاعت کی حد یہ ہے کہ صرف ان باتوں میں اطاعت کی جائے جو خدا

اور رسول کی اطاعت کے تحت ہوں نہ کہ اُس سے آزاد یا اس کے خلاف۔ یہ

بات خود قرآن کے بیان سے بھی ظاہر ہے۔ اس لئے کہ خدا اور رسول کے مطیع

فرمان وہی امرار ہوں گے جو نیک اور معروف باتوں کا حکم دیں، نہ کہ وہ جو

منکر اور گناہ کی باتوں کے احکام صادر فرمائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی

وضاحت یوں فرمائی ہے:-

مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے ذمہ دار کی بات سننے اور
 ماننے خواہ وہ حکم اس کیلئے خوشگوار ہو یا ناگوار، بشرطیکہ وہ خدا کی نافرمانی کا حکم نہ ہو اور جب
 اسے خدا کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو وہ بات نہ سننی چاہیے اور نہ ماننی چاہیے۔“

امیر و مامور کے اختلاف کا حل

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ
 تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء)^{۵۹}

”پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اسے اللہ

اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی سچے دل سے خدا اور رسول کو

مانتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے، اور اسی کا ”انجام بھی اچھا ہے۔“

یعنی اگر مسلمانوں میں باہم اختلافات اور جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں یا امیر و

مامور کے درمیان کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو اس کا حل صرف یہ ہے کہ وہ خدا

اور رسول کی طرف رجوع کریں۔ اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس اختلاف کا

حل نکالیں، پھر ہدایت کے ان سرشمول سے جو بھی فیصلہ انہیں ملے، بے چون

وچرا اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔

نظامِ جماعت کی دینی حیثیت

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا

مَعًا عَلَىٰ أَثَرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذُوبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوا مِنَّا إِنَّ الَّذِينَ

يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ -

(النور ۶۲)

”مومن تو حقیقت میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانیں، اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول کے ساتھ ہوں تو ان سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ماننے والے ہیں۔“

قرآن کے عمومی انداز کے مطابق یہاں بھی رسول کو خطاب کر کے ایک اصولی اور دائمی ہدایت دی جا رہی ہے۔ دین کے اجتماعی معاملات میں جو حکم نبی کے سلسلہ میں دیا جا رہا ہے، یہی حکم آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کا بھی ہے، اور یہی حکم ان تمام لوگوں کا ہے جو کسی بھی دور میں اسلامی تحریک کے ذمہ دار نہیں۔

نظم جماعت کی پابندی اور امیر کی اطاعت محض ایک قانونی معاملہ نہیں ہے، بلکہ قرآن نے اسے بڑی اہم دینی حیثیت دی ہے۔ قرآن انہی لوگوں کے اہمان کی سچائی کی شہادت دیتا ہے جو نظم جماعت کے پابند ہوں اور کسی جماعتی ڈیوٹی سے اسی وقت ہٹیں جب اپنے سربراہکار سے اجازت حاصل کر لیں۔

اسلامی جماعت کا امیر اور اسکے اوصاف

انتخاب امیر کا معیار

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا
وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ (الحجرات ۱۳)

”لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور

تمہارے کنبے اور قبیلے بنائے تاکہ تم باہم پہچانے جاؤ۔ البتہ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ مستحق ہے۔“

دنیا کے سارے ہی انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی بڑائی نہیں۔ مختلف قبیلے اور قومیں بھی محض اس لئے ہیں کہ ان میں باہم شناخت ہو سکے۔ بزرگی اور بڑائی کا معیار صرف خدا کا تقویٰ ہے اسلامی جماعت میں وہی شخص سب سے زیادہ اونچا اور معزز ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہے۔

انتخاب کی دینی حیثیت

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔ (النساء ۵۸)

”بلاشبہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنی امانتیں انہیں کے سپرد کرو

جو اس کے اہل ہیں۔“

یہ ایک اصولی ہدایت ہے، لیکن سلسلہ بیان میں امانتوں سے مراد خاص طور پر اسلامی جماعت کی ذمہ داریاں ہیں۔ یعنی اسلامی جماعت کی رہنمائی اور قیادت کی ذمہ داری کے لئے ایسے موزوں اور اہل تر افراد کا انتخاب کرو جس میں اس بار امانت کے اٹھانے کی صلاحیت و اہلیت ہو۔

دینی پیشوائی کے لئے موزوں ترین انتخاب ایک خالص دینی فریضہ ہے جس کے لئے قرآن نے انتہائی تاکید و انداز بیان اختیار کیا ہے۔ ”اللہ تمہیں حکم دیتا ہے

کہ تم اپنی امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہوں۔“

جماعتی کاموں میں مشورہ کی تاکید

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ (آل عمران ۱۵۹)

”اور دین کے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ کیجئے“

جو حکم حضورؐ کو دیا گیا ہے یہی حکم ان تمام لوگوں کے لئے ہے جو کسی بھی دور میں اسلامی جماعت کے ذمہ دار بنائے جائیں۔ قرآن کی تاکید یہ ہے کہ اسلامی جماعت کا نظام شورائی ہو، اور امیر جماعتی کاموں میں جماعت سے مشورہ لینے کا پابند رہے۔

مؤمنوں کا اکرام

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ

(الانعام ۵۴)

”اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان

لائے ہیں، تو ان سے کہیے، تم پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو“

یعنی جماعت کے افراد جب اپنے ذمہ دار کے پاس پہنچیں، تو وہ کشادہ

دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ اچھے انداز اور دعاؤں کے ساتھ ان کا استقبال کرے۔

رفقار جماعت کی اہمیت کا احساس

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ

يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ

الدُّنْيَا - (الکہف ۲۸)

”اور اپنے آپ کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن رکھیے جو اپنے رب کی رضا

کے طلب گار بن کر صبح و شام اس کو پکارتے رہتے ہیں اور ان کو نظر انداز کر کے

دنیوی شان و شوکت کی طلب میں اپنی نگاہیں آگے نہ دوڑائیے۔
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اسلامی جماعت کے ذمہ داروں
 کو ہمیشہ کے لئے ایک اہم اصولی حقیقت سمجھانی جا رہی ہے کہ آپ کا اصل سرمایہ اور
 آپ کی تویہ کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر آپ
 کے ساتھ ہوئے ہیں، دنیوی اعتبار سے خواہ ان ناداروں اور کمزوروں کی
 کوئی حیثیت نہ ہو، لیکن خدا کی نظر میں یہ دنیا کے ان بڑے بڑے سرداروں
 اور لیڈروں سے کہیں زیادہ قدر و عظمت اور عزت و وقعت کے لائق ہیں۔
 جو اگرچہ جاہ و منصب اور دنیوی شان و شوکت سے تو آراستہ ہیں لیکن دولت
 ایمان سے محروم ہیں۔

مشفقانہ برتاؤ

وَإِخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ الشعراء ۲۱۵

”اور آپ اپنے شفقت کے بازو پھیلا دیجئے ان مومنین کے لئے

جو آپ کی پیروی کر رہے ہیں۔“

رحم اور نرم دلی

فِيمَا رَحِمْتَهُ مِنَ اللَّهِ لَئِنْ كُنْتُمْ فَظًا غَلِيظًا

الْقَلْبِ لَا أَنْفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ ط (آل عمران ۱۵۹)

”یہ خدا کی رحمت ہی تو ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے انتہائی

نرم دل ہیں۔ ورنہ اگر کہیں آپ سخت مزاج اور سخت گیر ہوتے تو یہ سب

آپ کے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔“

جرات اقدام

وَسَاءَ وَرَهُمْ فِي الْآخِرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ (آل عمران) ۱۵۹

”اور دینی کاموں میں اُن سے مشورہ لیجئے۔ پھر جب آپ کسی کام کا پختہ

فیصلہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ رکھیئے۔“

یعنی جب کسی دینی معاملہ میں رفتار سے مشورہ لینے کے بعد آپ کسی فیصلہ پر

پہنچ جائیں اور اس کام کو انجام دینے کا عزم کر لیں تو پھر پوری ہمت اور جرات

کے ساتھ تمام اندیشوں اور آزمائشوں سے بے نیاز ہو کر اقدام کیجئے، اور صرف

اللہ ہی کا سہارا پکڑئیے۔ یہی وہ سہارا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

نظم جماعت کا اہتمام

فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذِنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ

وَاسْتَعْفِرْ لَهُمْ اللَّهُ - (النور ۶۲)

”تو جب وہ اپنے کسی خاص کام کے لئے آپ سے اجازت مانگیں،

تو آپ جن کو چاہیں اجازت دے دیا کریں اور ان لوگوں کے حق میں خدا

سے استغفار بھی کیا کریں۔“

یعنی جب مسلمان کسی اجتماعی کام کے لئے جمع ہوں اور پھر بعض لوگ اپنی

ضرورت اور معذوری سے اجازت چاہیں تو سربراہ جماعت کا فرض ہے کہ وہ

نظم جماعت کا پورا پورا اہتمام کرے۔ اور صرف انہی لوگوں کو اجازت دے

جن کی ضرورت واقعی اس اجتماعی دینی کام کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہو، یا جن کی

معذوری واقعی قابل قبول ہو۔

دعوت و تبلیغ

اسلامی جماعت کا مقصد وجود

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران ۱۰۴)

”اور تم میں ایک جماعت تو ایسی ضروری ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت

دے۔ اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔ اور

یہی لوگ ہیں جو فلاح و کامرانی پائیں گے۔“

”خیر“ بے مراد ہر وہ فطری بھلائی ہے جسے ہمیشہ انسانی فطرت نے بھلائی

سمجھا۔ اور جس کے بھلائی ہونے کی شہادت خود خدا کی کتاب نے بھی دی، ان

تمام بھلائیوں کی ایک جامع اور مرتب شکل خدا کا بھیجا ہوا وہ دین ہے جو ہر دور

میں انبیاء لائے رہے ہیں، اور جس کی آخری مکمل، مستند اور محفوظ شکل وہ

ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن و سنت کی شکل میں امت کو دے

گئے ہیں۔

اسلامی جماعت کا مقصد وجود یہ ہے کہ وہ سارے انسانوں کو اس

دین کی دعوت دے، اور ایک ایسی غالب قوت بن کر رہے، کہ وہ بھلائیوں

کو اپنے قانون اور حکم سے نافذ کرے اور برائیوں کا سدباب کرے۔

قرآن کا انداز دعوت

اسلام کی بنیادی دعوت

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
 إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوتَانَا وَتَخْلُقُونَ
 إِفْكَامًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِسْقًا
 فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّسْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ
 تُرْجَعُونَ ۝ (العنكبوت ۱۵-۱۶)

”اور ابراہیم کے قصے سے نصیحت حاصل کرو جبکہ انہوں نے اپنی قوم
 کے لوگوں سے کہا اللہ واحد کی بندگی کرو، اور اس سے ڈرو، اگر تمہارے
 اندر کچھ سمجھ ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوجتے
 ہو وہ تو محض بت ہیں۔ اور تم ایک جھوٹا گڑھ رہے ہو جس کے لئے
 کوئی معقول وجہ نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کو پوج لے
 ہو وہ تو تمہیں کوئی رزق دینے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ بس اللہ ہی
 سے رزق مانگو، اسی کی بندگی کرو، اور اسی کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف
 تم پلٹائے جاؤ گے۔“

شُرک ایک بے حقیقت چیز ہے، اور کائنات میں اس کے جواز کے لئے کوئی
 معقول وجہ موجود نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم نے ان چند جملوں میں تہا بیت اختصار
 اور حکمت کے ساتھ ان تمام دلائل کی طرف بلیغ اشارے کر دیئے ہیں جن سے ثابت

ہوتا ہے کہ انسان میں ذرا بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہو تو کبھی ایسی بے معنی چیز کو زندگی کی بنیاد نہیں بنا سکتا، کسی کی بندگی کے لئے کوئی معقول وجہ ہونی چاہیے! یہ بت بے جان پتھر ہیں۔ محض پتھر ہرگز اس کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کی بندگی کی جائے۔ نہ یہ انسان کے خالق ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے لئے ان کا محتاج ہو، نہ یہ انسان کو رزق دینے والے ہیں کہ وہ زندگی کی بقا میں ان کا دست نگر ہو، نہ انسان کا مستقبل ان سے وابستہ ہے کہ وہ اپنے انجام کی خاطر ان کی پوجا کرے۔ پھر آخر کس وجہ سے ان کی بندگی کی جائے؟ علم و عقل سے کام لیتے والا جب بھی سوچے گا اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ بندگی کا مستحق صرف وہی ایک خدا ہے جس نے انسان کو وجود کی نعمت بخشی، جو انسان کی پرورش کر رہا ہے، اور جس کے پاس آخر کار انسان کو لوٹ کر جانا ہے۔

بندہ مومن کی فکر انگیز دعوت

وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا هَدَيْنَاكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ
 لِقَوْمِ إِنَّمَا هِيَ هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ
 دَارُ الْقَرَارِ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ مَلَكَ
 صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ
 يُرْتَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلِقَوْمِهِمْ إِنَّا دَعَوْنَا إِلَى التَّجْوَدِ
 وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا
 لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيمِ الْعَفَّارِ لَا جَرَمَ إِنَّمَا
 تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَإِنَّ

مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَإِنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ (المومن ۳۸، ۳۹)

”اور بندہ مومن نے اپنی قوم سے کہا بھائیو! میرے نقش قدم پر چلو، میں تمہیں نیکی کی شاہراہ پر چلاؤں گا۔ بھائیو! یہ دنیا کی زندگی (جلد ختم ہونے والی) متاع ہے، اور آخرت ہی ہے جو ہمیشہ کی قرار گاہ ہے جو بُرا عمل کرے گا وہ اس کا ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ اور جو نیک عمل کریگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، البتہ ہو صاحب ایمان تو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے۔ وہاں ان کو بے حد و حساب نعمتیں دی جائیں گی۔

اور اے میرے بھائیو! ذرا میری حالت پر غور کرو، میں تو تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے جہنم کی آگ کی طرف بلا رہے ہو! تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں خدا کا ناشکرا بنوں، اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کے لئے میرے پاس کوئی علم اور دلیل نہیں۔ اور میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں اس خدا کی طرف جو سب پر غالب ہے اور جو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو اس کی پکار دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہم سب کو پلٹنا اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حد سے نکلنے والے دوزخی ہیں۔“

فکر و نظر کی اصلاح

وَإِنلُ عَلَيْهِم نَبَاً بُرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ قَالُوا نَعْبُدُ آبَاءَنَا مَا فَنَزَّلَ لَهَا مَا كَفِينَهُ قَالَ هَلْ

يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَهُ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يُضَرُّونَهُ قَالُوا ابَدُ
 وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ قَالِ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ
 تَعْبُدُونَ أَ أَنْتُمْ وَ آبَاءُكُمْ الْأَقْدَامُونَ قَالَتْ لَهُمْ عَذَابِي
 إِلَّا رَبُّ الْعَالَمِينَ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ
 يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ وَالَّذِي
 أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (الشعراء ۶۹-۸۲)

”اور ان کو ابراہیمؑ کا قصہ سناؤ جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور
 قوم کے لوگوں سے پوچھا، یہ کیا ہیں جن کو تم پوج رہے ہو؟ انہوں نے جواب
 دیا یہ کچھ مورتیاں ہیں جن کو ہم پوجتے ہیں، اور جن کی سیوا میں لگے رہتے
 ہیں۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟
 یا یہ تمہیں کچھ لفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا۔ نہیں، بلکہ ہم
 نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ اس پر ابراہیمؑ نے کہا، کیا
 تم نے کبھی ان پر غور کیا ہے؟ جن کو تم اور تمہارے پھیلے باپ دادا پوجتے
 رہے ہیں یہ سب میرے تو دشمن ہیں۔ مگر ہاں ایک رب العالمین روہی
 بندگی کے لائق ہے، جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے سیدھی راہ دکھاتا ہے،
 اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا
 بخشتا ہے اور وہ جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا،
 اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز جزا میں وہ میری خطاؤں سے
 درگزر فرمائے گا۔“

ابراہیم نے انتہائی حکمت کے ساتھ شرک کی تردید کی اور یہ حقیقت خود ان کی زبان سے واضح فرمائی کہ شرک کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ خود شرکین کو بھی یہ اعتراف ہے کہ ہم ان معبودوں کی پوجا اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی علم یا دلیل ہے، بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو یوں ہی کرتے دیکھا ہے، اور ان کی اندھی تقلید میں ہم بھی ایسا کر رہے ہیں۔ پھر ابراہیم نے انتہائی حکیمانہ ترتیب کے ساتھ وہ وجوہ بیان کئے جن کی بنا پر صرف ایک اللہ ہی عبادت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ وہ خالق ہے، وہی ہدایت اور رہنمائی فرماتا ہے، وہی ہماری دنیوی ضرورتیں پوری کرتا ہے، ہر طرح ہماری خبر گیری کرتا ہے، بیماری اور مصیبتوں سے نجات دیتا ہے، موت اور زندگی اسی کے اختیار میں ہے، اور روز جزا کا وہی مالک ہے، وہی انسان کی کوتاہیوں کو معاف کر سکتا ہے۔

حکمت تبلیغ

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ

جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ (النحل ۱۲۵)

”اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت کے ساتھ عمدہ

نصیحت کے ساتھ۔ اور مباحثہ کیجئے تو ایسے طریقے پر جو انتہائی بھلا ہو۔“

دعوت و تبلیغ کا سلیقہ اور حکمت بتاتے ہوئے قرآن نے تین جامع اور

اصولی ہدایتیں دی ہیں:-

○ حکمت کے ساتھ دعوت دو۔

○ عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو۔

۰ مباحثہ اچھے طریقے پر کرو۔

حکمت کے ساتھ دعوت دینے کا مفہوم یہ ہے کہ داعی کو اپنی دعوت کے تقدس اور عظمت کا پورا احساس رہے اور وہ اس دولت کو نادانی کے ساتھ یوں ہی نہ بکھیر دے، بلکہ موقع و محل کا بھی پورا پورا لحاظ رکھے۔ اور مخاطب کا بھی بہ طریقہ، ہرگز وہ اور ہر فرد سے اس کی فکری رسائی، استعداد و صلاحیت، ذہنی کیفیت اور سماجی حیثیت کے مطابق بات کہے۔

عمرہ نصیحت کے ساتھ دعوت دینے سے مراد یہ ہے کہ داعی اس سوزِ خیر خواہی اور خلوص کے ساتھ نیک جذبات کو ابھارے کہ مخاطب شوق و رغبت کے جذبات سے سرشار ہو جائے۔ اور اسے محض عقلی اطمینان ہی حاصل نہ ہو، بلکہ حق کے ساتھ اس کو جذباتی لگاؤ پیدا ہونے لگے۔

اچھے طریقے پر مباحثہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا سادہ اور دلنشین انداز اختیار کیا جائے کہ مخاطب میں صدا، نفرت، ہٹ دھرمی، تعصب اور حمیت جاہلیت کے جذبات نہ ابھریں، بلکہ وہ واقعی کچھ سوچنے اور سمجھنے پر مجبور ہو،

۱۰ اس کی وضاحت و تفصیل جاننے کے لئے قرآن کے ان حصوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جن میں پیغمبروں کی دعوت و تبلیغ کی رودادیں بیان کی گئی ہیں۔ ۱۱ اس کی وضاحت کے لئے قرآن کے وہ حصے مطالعہ میں رکھے جائیں جن میں اعمالِ صالحہ کے بے حد و حساب اجر و انعام اور اعمالِ مبینہ کی ہولناکیاں، سزائیں اور جنت کی غیر فانی نعمتوں اور جہنم کے ابدی عذاب کے تذکرے ہیں اور وہ حصے جن میں پیغمبر اور ان کے ساتھیوں پر خدا کے انعام و اکرام اور دین کے مخالفین کی تباہی کی داستانیں بیان کی گئی ہیں۔

اور اس میں حق کی طلب پیدا ہو۔ اور جہاں یہ کیفیت پیدا ہوتی نظر نہ آئے، داعی کو چاہیے کہ وہ زبان بند کر لے اور اس مجلس سے اٹھ کر چلا آئے۔

داعی حق کے اوصاف

دین کی قدر و عظمت

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ - (الحجر ۸۷، ۸۸)

”اور ہم نے آپ کو سات دُہرائی جانے والی آیتیں اور عظمت والا قرآن

عطا فرما دیا ہے۔ تو آپ اس فانی متاع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ جو ہم

نے ان کے مختلف طبقوں کو دے رکھا ہے“

رسول سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ بلاشبہ تم

بے سرو سامان اور بے کس و مظلوم ہو، لیکن خدا نے تمہارے دلوں کو قرآن جیسی با

عظمت دولت سے غنی کر رکھا ہے۔ بھلا اس کے مقابلہ اس دولت اور شان و

شوکت کی کیا قیمت جو چند روز کی بہار ہے۔ تمہیں جو کچھ ملا ہے وہ تو دونوں

جہاں کی عزت و سر بلندی کا سرمایہ ہے۔ تو تم تو اس ناپائدار دولت کو آنکھ اٹھا

کر بھی نہ دیکھو۔

نصب العین کی اہمیت کا احساس

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيُوا التَّوْبَةَ وَ

الْإِنْفِصَالَ - (المائدہ ۶۸)

”لئے اہل کتاب! تم کچھ نہیں ہو، جب تک کہ تم توراہ اور انجیل اور

ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب نے نازل فرمائی ہیں“

یعنی تمہاری عظمت و رفعت کا راز یہ ہے کہ تم اس مقصد کو پورا کرنے میں

جی جان سے لگے رہو جس کیلئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔ یہ خطاب تو اہل کتاب کے ہے۔ لیکن یہ اصولی بات

اس امت کیلئے ہے جس کو عالم کی رہنمائی اور دین کی اقامت کیلئے اٹھایا گیا ہو۔

اصلاح حال کی ٹرپ

فَلَعَلَّكَ يَا نَجِيعٌ تَفْسَاكَ عَلَىٰ اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسْفَاہ (الکہف ۶)

”تو اے رسول! شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان

ہلکان کر ڈالیں گے۔ اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے“

حق کی بصیرت

قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَسِيْرَةٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعَنِيْ-

(یوسف ۱۰۸)

”اے رسول! آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ میرا راستہ تو

یہ ہے اور میں یقین اور بصیرت کی پوری روشنی کے ساتھ خدا کی طرف دعوت

دے رہا ہوں، اور وہ لوگ بھی جو میری پیروی میں یہی کام کر رہے ہیں“

صبر و ثبات

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَ اَنْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ عَلٰی مَا

اَصَابَكَ ط اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ اَلْاُمُوْرِ (لقمان ۱۷)

”نیک کاموں کا حکم دیتے رہنا، اور برے کاموں سے روکتے رہنا،
اور آنے والی مصیبت کو صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کرنا، بلاشبہ یہ
بڑی ہمت کے کام ہیں۔“

بے لوثی

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ
رَبِّهِ سَبِيلًا (الفرقان، ۵)

”ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا سوائے اس
کے کہ جو چاہے اپنے رب کا راستہ اپنارے۔“

یعنی میری دوز دھوپ کے پیچھے کوئی مادی غرض نہیں ابلیں تو صرف یہ
چاہتا ہوں کہ خدا کے بندے خدا کی راہ پر آجائیں۔
خدا کی نصرت پر یقین

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ
الْمُحْسِنِينَ (العنکبوت ۶۹)

”جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے انہیں ضرور ہم اپنی راہیں
دکھائیں گے۔ اور یقیناً اللہ نیکو کاروں ہی کے ساتھ ہے۔“
یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں دوز دھوپ کرتے ہیں خدا زندگی کے ہر موڑ پر
ان کی رہنمائی فرماتا ہے، اور اپنی توفیق و نصرت سے لوازمات ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُخْرِجْ
أَقْدَامَكُمْ (محمد،)

”اے مومنو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور

تمہارے قدموں کو جما دے گا۔“

اللہ کی مدد کرنے سے مراد اس کے دین کی مدد اور اس کو غالب کرنے کی جدو

جہد ہے۔

داعی حق اور مخالفین

داعی حق کا وجود دنیا کے لئے سرتاسر رحمت ہے۔ حتیٰ کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف اور سچی خیر خواہی کا معاملہ کرتا ہے جو اس کے اور اس کی دعوت کے دشمن ہوتے ہیں۔

کشمکش میں داعی کا حکیمانہ کردار

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا

الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا

الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا ذُوَ حِطِّ عَظِيمٍ (خم سجدہ ۳۴-۳۵)

”بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ برائی کا جواب ایسے طریقے سے

دو جو انتہائی اچھا ہو۔ اور یہ بات انہی لوگوں کو ملا کرتی ہے جو برداشت کرتے

ہیں، اور انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے نصیبے والے ہیں۔“

یعنی داعی حق انتہائی عالی ظرف اور وسیع القلب ہوتا ہے۔ وہ اپنے مخالفین

کے لئے انتقامی جذبات نہیں پالتا، بلکہ وہ ان کی برائیوں اور زیادتیوں کے جواب

میں بھی خیر خواہی اور ہمدردی کا سلوک کرتا ہے۔ اور داعی حق کی یہی روش اس کو مخالفین

میں عزت و عظمت بخشتی ہے، اور مقبول و محبوب بناتی ہے۔

اسلام کا برملا اظہار

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صِدْقًا وَقَالَ

إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ (حکم سجدہ ۳۳۵)

”اور اس شخص سے زیادہ بھلی بات کہنے والا اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف

دعوت دے اور خود بھی نیک کام کرے، اور برملا کہے کہ میرا تعلق ان لوگوں

سے ہے جو خدا کے مسلم اور فرمانبردار ہیں“

یعنی دنیا میں بہترین بات کہنے والا وہ داعی حق ہے جو اللہ کی طرف دعوت

دے، جس کی زندگی اعمال صالحہ سے آراستہ اور اپنی دعوت کا مکمل نمونہ ہو،

اور جو حالات کی تمام سنگینیوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے ہوئے فخر و

یقین کے ساتھ اپنے اسلام کا برملا اعلان و اظہار کرے۔

ملامت و مخالفت سے بے نیازی

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ كُوفَةً لَا يُمْرُ -

(المائدہ ۵۴)

”جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے

کی ملامت کا انہیں خوف نہ ہوگا“

فَأُصْدِغُوا بِهَا تَوْصِيراً وَأَعْرَضُ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّا كَفَيْتُكَ

الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ (الحجر ۹۲)

”جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کھلم کھلا بیان کیجئے، اور مشرکوں کی

طرف سے بالکل بے پروا ہو جائیے۔ آپ کی طرف سے ہم ان استہزا کرنے

والوں کی خبر لینے کے لئے کافی ہیں۔
 یعنی آپ مخالفین حق کی ملامت، طعن و تشنیع، استہزار اور مخالفت سے
 بے نیاز ہو کر کھلم کھلا حق کی دعوت دیتے رہیے اور ان کا معاملہ اس کے سپرد کیجئے جو
 ان کی خبر لینے کے لئے کافی ہے۔

مداہنت سے کامل احتساب

فَلِذَلِكَ فَادَعُ مَا اسْتَقِيمَ كَمَا امْرَأَتٌ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ
 وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ط وَاَمْرٰتٌ لِاَعْدٰلٍ بَيْنِكُمْ
 اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ط لَنَّا اَعْمَالُنَا وَلكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا
 وَبَيْنَكُمْ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (الشوریٰ ۱۵)

”اے رسول! آپ اسی دین حق کی برابر دعوت دیتے رہئے اور جس

طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے، اسی پر مضبوطی کے ساتھ جے رہئے۔ اور ان

لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیئے۔ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو اس کتاب

پر ایمان لایا ہوں، جو اللہ نے نازل فرمائی ہے۔ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں

تمہارے درمیان انصاف کروں، خدا ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی،

ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ یہاں سے

اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ خدا ایک دن ہم سب کو جمع کرے گا،

اور اسی کی طرف ہم سب کو جانا ہے۔“

یعنی صاف صاف کہہ دیجئے کہ تمہاری خوشنودی، مروت اور خوف میں ہم

ہرگز کوئی ایسی روش اختیار نہیں کر سکتے جو دین کے خلاف ہو۔ ہم سے بے جا رواداری

کی قطعاً کوئی امید نہ رکھو۔ ہم خدا کی کتاب پر ایمان لائے ہیں اور ہر حال میں اسی پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں گے۔

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ - (الفتح ۲۹)

”وہ کافروں پر نہایت سخت ہیں۔“

یعنی وہ اپنے اصولوں میں اتنے سخت اور مضبوط ہیں کہ اہل باطل کو ان سے کسی مدد یا ہمت یا بے جا رواداری کی امید نہیں ہو سکتی۔

جرات و بے خوفی

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (الاحزاب ۱)

”اے نبی! اللہ سے ڈریے، اور کفار و منافقین کا کہا نہ مانے۔“

حقیقت میں علیم و حکیم خدا ہی ہے۔“

نبی کے واسطے سے تمام مسلمانوں کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ صرف خدا ہی کا خوف رکھو، اور اسی کے دین کی پیروی کرو۔ یہ بات ایمان کے قطعاً منافی ہے کہ تم کفار و منافقین سے ڈرنے لگو۔ اور ان کی ہر جاوے جا ماننے لگو۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمہارے دل میں صرف خدا کا خوف ہو، اور تم جرات کے ساتھ صرف خدا ہی کے اطاعت گزار رہو۔

ہر حال میں پورے دین کی دعوت

وَإِذَا نُتِلَىٰ عَلَيْهِمُ الْآيَاتُ بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا
أَنْتِ بِفِرْطَانٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ

مِنْ تَلْقَائِي نَفْسِي إِنْ أَتَيْتُمْ إِلَّا مَا يُوسَىٰ إِلَىٰ إِيَّتِي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُمْ
رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (يونس ۱۵)

”اور جب ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو جو لوگ ہماری ملاقات کا یقین نہیں رکھتے، کہتے ہیں، اس کے بجائے کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اسی میں کچھ تغیر تبدیل کر دیجئے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی طرف سے اس میں ہرگز کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ میں تو خود اس وحی کا پیرو ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔“

ایذا رسانہوں پر صبر

وَلَنْسَبِرَنَّ عَلَىٰ مَا أذَيْتُمُونَا۔ (ابراہیم ۱۲)

”اور جو تکلیفیں تم ہم کو دے رہے ہو، ہم ان پر صبر ہی کریں گے۔“

نرم انداز بیان

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ۔ (طہ ۴۴)

”پس اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے۔“

یا اس میں خشیت پیدا ہو۔“

ہر حال میں کھلی بات

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ (بنی اسرائیل ۵۲)

”اور (اے رسول!) میرے بندوں سے کہیے کہ ایسی بات کہا کریں

جو انتہائی پسندیدہ ہو۔“ (بنی اسرائیل ۵۲)

یعنی اگر تمہارے مخالفین اپنی نادانی اور جاہلی حمیت کے جوش میں کچھ ناروا باتیں کرنے بھی لگیں تب بھی ٹھنڈے دل سے چنچی تلی اور بھلی بات کہو، اور خوشگوار فضا میں دینِ حق کی ترجمانی کرتے رہو۔

مذہبی جذبات کا پاس و لحاظ

وَلَا تَسْتَوِ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُو اللَّهَ عَدُوًّا

بِغَيْرِ عِلْمٍ - (الانعام ۱۰۹)

”یہ لوگ خدا کے سوا جن کو پکارتے ہیں ان کو گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ

ہو کہ یہ بھی جہالت میں حد سے بڑھ جائیں، اور خدا کو گالیاں دینے لگیں۔“

یعنی داعی کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے مذہبی جذبات کا پاس و لحاظ رکھے،

اور کبھی جوش و عورت میں ان لوگوں کو برا نہ کہہ بیٹھے جن کو اہل باطل اپنا معبود قرار دیتے

ہیں، اور جن سے عقیدت رکھتے ہیں۔۔۔ ایسی روش کے نتیجے میں حق کو قبول

کرنا تو درکنار، الٹا یہ اندیشہ ہے کہ وہ جہالت کی بنا پر خدا کی شان میں ناشائستہ کلمات کہہ بیٹھیں۔

جب سے اجتناب

فَمَنْ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكَرُوا

بِالنُّسْرَانِ مِنْ يَخَافُ وَعَبِيدِهِ (رق ۴۵)

”یہ جو کچھ کہتے رہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔ اور آپ ان پر جبیر

کرنے والے نہیں ہیں، آپ تو ان لوگوں کو قرآن کے ذریعہ سمجھاتے بتاتے

رہیں جو میرے ڈراؤ سے ڈرتے رہیں۔“

یعنی قرآن کی دعوت نہ آپ زبردستی منوا سکتے ہیں اور نہ یہ آپ کا کام ہے۔ آپ تو دلسوزی اور انہماک کے ساتھ لوگوں کو یاد دہانی کرتے رہیے۔ جن کے دلوں میں نرمی ہوگی وہ خود آگے بڑھ کر قبول کر لیں گے۔

دین میں کوئی زبردستی نہیں

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ
بِالطَّغُوتِ دِيُونًا ۚ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَهْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى
لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (البقرہ ۲۵۶)

”دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت کی بات گمراہی سے بالکل الگ نمایاں ہو گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا انجام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ مسلمان جس دین کے پیرو ہیں، اس کی دعوت دینے اور اسے قائم کرنے کی ذمہ داری ان پر ضرور ڈالی گئی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ زبردستی اس دین کو کسی کے دل میں اتار دیں دلوں کا پھیرنا صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اور اللہ ہدایت کی دولت سے اسی کو نوازتا ہے جو اس کا طالب ہوتا ہے۔ اور کھلے دل و دماغ سے اس کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

درگزر کی روش

قُلْ لِلدِّينِ اٰمَنُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا يُرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ - (بانشیہ ۱۴)

”اے رسول! مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ درگزر کی

روش رکھیں جو اللہ کے دنوں کا یقین نہیں رکھتے ۵

اللہ کے دنوں سے مراد وہ دن ہیں جن میں خدا کسی قوم کو انعام و اکرام سے نوازے، اور کسی قوم پر ہولناک عذاب بھیجے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی رحمت اور اس کے عذاب سے بالکل ہی بے فکر ہیں، اور تمہارے ساتھ ناروا سلوک کر رہے ہیں وہ قابل رحم ہیں۔ ان کے ساتھ درگزر کا معاملہ کیجئے۔

جو درپے آزار نہ ہوں ان سے حسن تعلق

لَا يَهْرَبُكُمْ اللَّهُ عَنِ الدِّينِ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَ لَمْ
يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِينَ ۝ (الممتحنہ ۸)

”جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی، نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، ان کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف سے خدا تمہیں نہیں روکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ خدا انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ مخالفین حق تم پر ظلم و زیادتی کرنے لگیں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیں، تو تم اس ظلم کے نتیجہ میں سب سے بے تعلق نہ ہو جاؤ بلکہ دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ تم بھلائی اور انصاف ہی کا سلوک کرتے رہو۔ ظلم کا بدلہ دوسرے بے گناہوں کو نہیں بلکہ ظالموں ہی کو ملنا چاہیے۔

ہجرت

يُغِيثُ الذِّينَ اٰمَنُوْا اِنَّ اَرْضِيْ وَاَسِعَتْ فَاٰتِيَايَ فَاَعْبُدُوْنِ ۝

(العنكبوت ۵۶)

”اے میرے مومن بندو! میری زمین وسیع ہے۔ پس تم میری ہی بندگی

کرو۔“

مومن کا کام بہر حال یہ ہے کہ وہ خدا کی بندگی کرے۔ اور اگر کسی ملک میں اس کے لئے اس کے مواقع نہ رہیں تو اسے چاہیے کہ وہاں سے ہجرت کر جائے۔ ہجرت کے معنی ہیں خدا کی خاطر قطع تعلق کرنا۔ مومن کو ہر اس چیز سے بے تعلق ہو جانا چاہیے جو خدا کی محبت کے منافی ہو۔ خواہ وہ ماں باپ، عزیز و اقارب ہوں یا مال و دولت اور وطن ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت

وَ اذْ كُرْنَا فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيمَ ط اِنَّهُ كَانَ صِدًا يَّقَاتِيَّا ه اِذْ
 قَالَ لِاَبِيهِ يَا بَتِّ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ
 شَيْئًا يَا بَتِّ اِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي
 اَهِدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ه يَا بَتِّ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ط اِنَّ الشَّيْطَانَ
 كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ه يَا بَتِّ اِنِّي اَخَافُ اَنْ يَهْسَكَ عَذَابٌ
 مِنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنُ لِلشَّيْطٰنِ وَاٰتِيَّا ه قَالَ اَلَا غَيْبٌ اَنْتَ عَنْ
 الْاِهْتِي يَا اِبْرَاهِيمَ ط لَنْ لَمْ تَنْتَه اِلَّا رَجَمْتِكَ دَا ه جُرْنِي
 مَلِيًّا ه قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ط سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي اِنَّهُ كَانَ
 فِي حَقِيَّا ه وَاَعْتَزِكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاذْعُوْا رَبِّي
 عَسَى اَنْ لَّا اَكُوْنَ بِدَاعٍ وَّرَبِّي شَفِيَّا ه (مریم ۴۱-۴۸)

۴۸ اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا قصہ بیان کیجئے۔ بلاشبہ وہ ایک

سچے نبی تھے۔ (لوگوں کو اس وقت کا ذکر سنائیے) جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا۔ ابا جان! آپ ان چیزوں کی عبادت کیوں کر رہے ہیں، جو نہ مندی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتی ہیں؟ ابا جان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے۔ آپ میرے کہے پر چلیں، میں آپ کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔ ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کیجئے۔ شیطان تو رحمان کا بڑا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ اسی روش پر رہے تو رحمان کا عذاب آپ کو آپکڑے، اور آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔

باپ نے کہا، ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں کے پھر گئے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا۔ اور جاؤ ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جاؤ۔

ابراہیم نے کہا، آپ کو میرا سلام ہے۔ میں اپنے پروردگار سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کی بخشش فرمادے۔ بیشک میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔

میں آپ لوگوں سے بھی کنارہ کرتا ہوں، اور ان ہستیوں سے بھی جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر ہرگز نامراد نہ رہوں گا۔

خدا کی راہ میں جہاد

دعوتِ حق کی مخالفت طاقتوں سے ٹکر لینے کے لئے مومن جو کوشش بھی کرتا

ہے، وہ جہاد ہے۔ اور اس کا انتہائی مرحلہ یہ ہے کہ اگر ضرورت آپڑے تو خدا کا بندہ محض خدا کی رضا کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے بھی میدان جنگ میں کود پڑے۔

وَاعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ

تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ - (الانفال ۶۰)

”اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقتور اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو، تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری ہیبت چھائی رہے“

جہاد و معیار ایمان

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تُرَضُّوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ (التوبہ ۲۴)

”اے رسول اکہمہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ٹھپ ہو جانے کا تم کو ڈر ہے اور تمہارے وہ مکانات جو تم کو پسند ہیں۔ تم کو اللہ اور

اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سامنے لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

یعنی خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ اپنے جان و مال، اور دنیوی رشتوں کو عزیز رکھنا خدا کی کھلی ہوئی نافرمانی ہے۔ اور ایسے ڈھیٹ نافرمان ہدایت الہی سے محروم رہتے ہیں۔
خدا کی راہ میں نکلنے کی تڑپ

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلُوا لَمْ يُحْمَلُوا مِنْ أَجْدَمَاءَ
أَحْمَلِكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا
يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ (التوبہ ۹۲)

”اور نہ ان (بے سرو سامان) لوگوں پر، الزام کا کوئی موقع ہے، جو خود آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کے لئے سواریاں مہیا فرماویں۔ اور جب آپ نے کہا کہ میں تمہارے لئے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس غم میں کہ ان کے پاس جہاد میں شریک ہونے کے لئے خرچ کرنے کو کچھ موجود نہیں ہے۔“

خدا کی نظر میں اصل قدر و قیمت اس سچی تڑپ کی ہے جو داعیانِ حق کو دین کی خدمت اور اقامت کے لئے بے چین رکھے۔ یہ تڑپ رکھنے والے اگر وسائل و ذرائع نہ پا کر میدانِ جہاد میں نہ جا سکیں اور اپنے ایمانی جوہر نہ دکھا سکیں تو یہ معذور

ہیں۔ خدا کے یہاں ان کا شمار انہی مجاہدوں میں ہوگا جو عملاً اپنا جان و مال خدا کی راہ میں قربان کرنے کی سعادت پارہے ہیں۔ غزوہ تبوک سے واپس آتے ہوئے آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تھا: ”مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے جو کوچ بھی کیا، اور جو راہ کی بھی طے کی وہ برابر تمہارے ساتھ رہے۔“ صحابہؓ نے تعجب سے پوچھا: ”کیا مدینہ میں رہتے ہوئے؟“ فرمایا ”ہاں، مدینہ میں رہتے ہوئے، کیونکہ ان کو مجبوری نے روک لیا تھا، وہ خود رکنے والے نہ تھے۔“

جہاد سے رہ جائیو اے مومنین کی سبق آموز داستان

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا طَاحُثَىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبة ۱۱۸)

”اور ان تینوں کو بھی خدا نے معاف کر دیا، جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں، اور انہوں نے جان لیا کہ خدا سے بچنے کیلئے کوئی پناہ گاہ خود خدا ہی کے سوا نہیں ہے، تو خدا اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹانا کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی معاف کرنے والا، انتہائی مہربان ہے۔“

یہ حضرت کعب بن مالکؓ، سرارہ ابن ریحؓ، ہلال ابن امیہؓ کا سبق آموز واقعہ ہے۔ یہ تینوں صحابی نہایت سچے اور بڑے ہی مخلص تھے، اور بارہا اپنے ایمان و اخلاص کا ثبوت دے چکے تھے۔ لیکن غزوہ تبوک کے نازک موقع پر ان بزرگوں نے کچھ سستی دکھائی، اور جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت کعب بن مالکؓ نے خود اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ سے بیان کیا۔ ”غزوہ تبوک کی تیاری کے زمانے میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے جنگ میں شریک ہونے کی اپیل کرتے تھے۔ میں اپنے دل میں ارادہ کرتا کہ ضرور جاؤنگا، لیکن واپسی پر سستی کر جانا یہاں تک کہ ہمارے مسلمان میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ اور میں مدینہ ہی میں بیٹھا ارادہ کرتا رہا۔

پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے تو منافقین نے لمبی چوڑی قسموں کے ساتھ اپنے عذرات پیش کرنے شروع کئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بناؤٹی باتیں سن کر ان کے ظاہری عذر قبول کرتے اور فرماتے خدا تمہیں معاف کرے۔

جب میری باری آئی تو میں نے صاف صاف کہہ دیا۔ خدا کے رسول! مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ بس میری سستی اور غفلت نے مجھے اس سعادت سے محروم رکھا۔ اسی طرح میرے دو اور ساتھیوں نے بھی سچی بات کہہ دی۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دے دیا کہ تم تمینوں سے کوئی بات نہ کرے یہ اعلان ہوتے ہی میرے لئے مدینہ کی زمین بالکل بدل گئی اور میں مدینہ میں بے یار و مددگار بالکل اجنبی بن کر رہ گیا۔ کوئی بھی مجھ سے سلام کلام نہ کرتا۔ ایک دن جب میں بہت زیادہ گھبرا گیا تو اپنے ایک بچپن کے دوست ابو قتادہؓ کے پاس گیا۔ جا کر سلام کیا، لیکن جواب نہ ملا۔ دو بار میں نے پوچھا، ابو قتادہؓ! کیا مجھے خدا اور رسول سے محبت نہیں ہے؟ تو وہ خاموش رہے۔ تیسری بار میں نے پوچھا تو بس اتنا کہا، خدا بہتر جانتا ہے، میرا دل بھرا آیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

انہی دنوں بازار میں شام کے ایک آدمی نے مجھے شاہ غسان کا ایک خط دیا، شاہ نے لکھا تھا۔ ”ہم نے سنا ہے تمہارے صاحب تم پر بہت متم توڑ رہے ہیں، تم کوئی ذلیل

آدمی نہیں ہو، ہمارے پاس آؤ ہم تمہاری قدر کریں گے۔“ میں نے کہا یہ ایک اور مصیبت نازل ہوئی۔

چالیس دن اس حالت پر گزر گئے، تو ایک آسمانی رسول خدا کا یہ حکم لے کر پہنچا کہ اپنی بیوی سے الگ ہو۔ میں نے بیوی کو میکے بھیج دیا اور کہہ دیا خدا کے فیصلہ کا انتظار کرتی رہو۔ پچاسویں دن میں فجر کی نماز کے بعد اپنی جان سے بیزار، نہایت مایوس اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک کسی نے پکار کر کہا، مبارک ہو کعب! یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر گیا۔ پھر تو لوگ فوج در فوج مجھے مبارکباد دینے کے لئے آنے لگے۔ میں اٹھا اور سیدھا مسجد نبوی میں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں، کہ رسول خدا کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے۔ فرمایا ”کعب! مبارک ہو، یہ تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے۔“ میں نے کہا ”حضرت! یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے؟“ فرمایا ”خدا کی طرف سے۔“ اور سورہ توبہ کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔“

خدا نے ان حضرات کی سستی اور عبرت انگیز تنبیہ کے اس واقعہ کو ہائپر کے لئے قرآن میں محفوظ کر دیا تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمان اس واقعہ سے سبق لیں اور، اور اس حقیقت کو نگاہ میں رکھیں کہ جب بھی دین و ملت پر کوئی نازک وقت آئے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جس حال میں بھی ہوں میدان میں نکل آئیں اور اپنا سب کچھ داؤں پر لگا کر دین و ملت کی حفاظت کریں۔ ایسے نازک موقع پر اپنے فرض سے معمولی سی غفلت اور سستی برسوں کی دینداری اور ایمانی کارناموں کو تباہ کر سکتی ہے۔

کتابیات

”قرآنی تعلیمات“ کی تیاری میں ان اہم کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے :-

- ۱- مجموعہ تفاسیر فراہمی رح- ترجمہ از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی۔
- ۲- تفہیم القرآن- از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب۔
- ۳- ترجمان القرآن- از مولانا ابوالکلام آزاد رح مع باقیات مرتبہ مولانا غلام رسول قہر۔
- ۴- تفسیر بیان القرآن- از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح۔
- ۵- تفسیر موضح القرآن- از مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رح۔
- ۶- ترجمہ قرآن- از مولانا فتح محمد خاں جالندھری رح۔
- ۷- انوار التنزیل و اسرار التاویل- از مولانا قاضی بیضاوی رح۔
- ۸- لباب التاویل فی معانی التنزیل- از مولانا علاؤ الدین البغدادی رح۔ المعروف بالخازن۔
- ۹- تفسیر النسفی- از ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود رح۔
- ۱۰- تفسیر ترجمہ- از مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحب و مولانا سید شبیر احمد صاحب عثمانی رح۔
- ۱۱- صحیح البخاری از محدث محمد ابن اسماعیل البخاری رح۔
- ۱۲- صحیح المسلم- از محدث مسلم ابن الحجاج النیشاپوری رح۔
- ۱۳- جامع الترمذی- از محدث محمد ابن عیسیٰ الترمذی رح۔
- ۱۴- سنن ابی داؤد- از محدث ابو داؤد سلیمان ابن اشعث رح۔

ان کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً بعض کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ خدائے رحمان

رحیم سے دعا ہے کہ وہ ان تمام کتابوں کے مرتبین کو جزائے خیر میں شریک فرمائے، اور

ہم سب کیلئے ”قرآنی تعلیمات“ کو ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

85643

70
60

450
228

570
55

4280
44

327

قرآنی تعلیمات

حصہ دوم

قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنے اور بندگانِ خدا تک قرآن کی دعوت و تعلیم پہنچانے والی ایک مختصر کتاب۔

محمد یوسف اصلاحی

اسلامک پبلیکیشنز، ملٹری

۱۳-۱۱، شاہ عالم مارکٹ، لاہور (مغربی پاکستان)

شاخ: ۱۶-بیت الکریم (پہلی منزل) ڈھاکہ (مشرقی پاکستان)